ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
31 جنوری تا 6 فروری 2002ء

☆ مخلوط انتخابات اور تعلیم یافتہ اسمبلیاں (تجزیہ)
☆ جہاد فی سبیل اللہ: اہمیت وحقیقت اور مراحل ومدارج (منبر ومحراب)
☆ خدا کا اعتماد سب سے بڑا اعتماد (صدائے خراسان)

داعیانِ اسلام کی ذمہ داری!

''ہم جب لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں اور دعوت وتبلیغ کا کام سرانجام دیں تو اسلام کے بارے میں یہ حقیقت ہمارے ذہنوں میں اس قدر مضبوطی کے ساتھ جاگزیں، پیوست اور واضح ہونی چاہئے کہ اس کے اظہار واعلان میں کبھی ہماری زبان نہ لڑکھڑائے اور کسی موقع پر ہم شرم محسوس نہ کریں، اور لوگوں کو اس بارے میں کسی شک واشتباہ میں نہ رہنے دیں، اور ان کو اس بات کا پوری طرح قائل کر کے چھوڑیں کہ اگر وہ دامن اسلام میں آئیں گے تو ان کی زندگیوں کی کایا پلٹ جائے گی۔ ان کے اعمال وکردار اور اصول وضوابط بھی بدلیں گے اور ان کے تصورات اور اندازِ فکر بھی تبدیل ہوں گے۔ اس تبدیلی کی بدولت اسلام انہیں وہ خیر کثیر عطا کرے گا جس کی وسعتیں انسانی قیاس میں نہیں سما سکتیں۔ وہ ان کے افکار ونظریات میں رفعت پیدا کرے گا، ان کے حالات ومعاملات کا معیار بلند کرے گا اور انہیں اس مقام عزت و ومرتبۂ شرف سے قریب تر کر دے گا جو سزاوار انسانیت ہے —— جس پست جاہلی زندگی سے وہ اب تک آلودہ رہے ہیں اس کی کوئی آلائش باقی نہ چھوڑے گا، اِلّا یہ کہ جاہلی دور کی کوئی ایسی جزئیات پائی جائیں جو اتفاق سے نظام اسلامی کی بعض جزئیات سے ہم رنگ اور ہم آہنگ ہوں، لیکن وہ بھی اپنی اصلی حالت میں نہ رہیں گی بلکہ اسلام کی اس اصل عظیم سے مربوط ہو جائیں گی جو جاہلیت کی اس خبیث اور غیر بار آور اصل سے بنیادی طور پر تو مختلف ہے جس کے ساتھ وہ آج تک وابستہ تھے۔ اسلام یہ انقلاب عظیم برپا کرنے کے بعد انسانوں کو علم وتحقیق کے ان شعبوں سے محروم نہیں کرے گا جو مشاہدہ واستقراء پر مبنی ہیں بلکہ وہ ان شعبوں کو مزید ترقی دے گا۔ الغرض داعیانِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اس وہم میں نہ رہنے دیں کہ اسلام بھی انسان کے وضع کردہ ان اجتماعی نظریات میں سے ایک نظریہ اور خود ساختہ نظاموں میں سے ایک نظام ہے جو مختلف ناموں اور مختلف جھنڈوں کے ساتھ روئے زمین میں پائے جاتے ہیں بلکہ وہ انہیں باور کرائیں کہ اسلام ایک خالص اور بے لاگ نظام ہے جو مستقل بالذات انفرادیت کا مالک ہے، جداگانہ تصور زندگی رکھتا ہے اور جداگانہ طرزِ حیات لے کر آیا ہے۔ وہ انسانیت کو جو کچھ دینا چاہتا ہے وہ وضعی نظاموں کی خیالی جنتوں سے ہزار درجہ بہتر وسودمند ہے۔ وہ ایک اعلیٰ وارفع نظام ہے، پاکیزہ واجلا نظریۂ حیات ہے۔ وہ جمال جہاں افروز اور معتدل ومتوازن راہ ہے۔ اس کے سوتے براہِ راست خدائے برتر وعظیم کے ازلی وابدی چشموں سے پھوٹے ہیں''۔

(سید قطب شہید کی کتاب ''معالم فی الطریق'' کے اردو ترجمہ ''جادۂ منزل'' سے ایک اقتباس)

سورۃ البقرہ (۵۳)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۭ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (آیات: ۹۰ تا ۹۲)

''بُری ہے وہ شے جس کے عوض انہوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے کہ انہوں نے کفر کیا اس کا جو اللہ نے نازل فرمایا' محض اس ضد کے باعث کہ اللہ نازل فرماتا ہے اپنے فضل میں سے' اپنے جس بندے پر وہ چاہتا ہے۔ پس وہ پلٹے ہیں غضب پر غضب لے کر' اور کافروں کے لئے نہایت اہانت آمیز عذاب ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس پر جو اللہ نے نازل کیا ہے (تو) کہتے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس کا انکار کرتے ہیں جو اس کے علاوہ ہے' حالانکہ وہ حق ہے (اور) اس کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے۔ (اے نبیؐ! ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم مومن ہو تو پھر اللہ کی طرف سے پہلے (بھیجے گئے) انبیاء کو قتل کیوں کرتے رہے! اور تمہارے پاس (حضرت) موسیٰؑ واضح نشانیاں لے کر آئے' پھر ان کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم تو ہو ہی زیادتی کرنے والے۔''

بنی اسرائیل نے تورات میں درج نشانیوں کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ پہچان تو لیا تھا لیکن آپؐ پر ایمان لانے میں ہچکچاہٹ کی وجہ ان کا یہ تعصب تھا کہ آخری نبی کا ظہور انہی کی قوم میں کیوں نہ ہوا! اس پر زیر درس پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی اختیار ہے کہ وہ نبوت و رسالت کے لئے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے' چن لے۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ کو اس منصب پر فائز کرنے میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بنی اسماعیل بھی بنی اسرائیل کی طرح احضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ بنی اسرائیل نے اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے خود کو جہنم کا مستحق بنا لیا ہے اور اپنے تفاخر کے عوض دوزخ کی آگ حاصل کر کے نہایت گھاٹے کا سودا کیا ہے۔

بنی اسرائیل کو جب قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی کہ یہ بھی تورات ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو وہ بڑی ڈھٹائی سے جواب دیتے کہ ہم صرف اسی کتاب پر یقین رکھتے ہیں جو ہماری قوم کی جانب نازل کی گئی ہے جبکہ اس کے بعد آنے والی کتابوں کو ہم نہیں مانتے۔ ان کا یہ انکار اس حقیقت کے باوجود تھا کہ قرآن مجید میں سابقہ تمام آسمانی کتابوں کے برحق ہونے کی تصدیق کی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کی اس رعونت پر استفہامیہ انداز میں ان کے سابقہ طرز عمل کا حوالہ دیا گیا کہ اگر وہ تورات پر ایمان لانے کا اظہار کر کے خود کو مومن قرار دے رہے ہیں تو پھر وہ ماضی میں بہت سے انبیاء کو کس لئے ناحق قتل کرتے رہے! جبکہ ان کے دعوے کے برعکس' حقیقت یہ ہے کہ شرارت' سرکشی اور احکام الٰہی کے خلاف بغاوت کے جراثیم ان میں ہمیشہ سے موجود تھے جن کے زیر اثر وہ حق کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے رہے۔ ان کی سرکشی اور شرارت کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کھلے معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے' جب چالیس دن کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو ان کی غیر حاضری میں اس قوم نے ایک بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا اور یوں ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوئے۔

☆ ☆ ☆

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چوہدری رحمت اللہ بٹر

فرمان نبوی

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اِخْوَانِ تَوْاَمَانِ لَا يَصْلُحُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا اِلَّا بِصَاحِبِهٖ فَالْاِسْلَامُ اَسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَاَمَّا اللّٰهُ لَا يَهْدِمُ وَمَا لَا حَارِسَ لَهٗ ضَائِعٌ)). (کنز العمال)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام اور سلطان دو جڑواں بھائی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہو سکتا مگر اپنے ساتھی کے ساتھ۔ اسلام بنیاد ہے اور سلطان اس کا نگران/ چوکیدار ہوتا ہے اور جب تک یہ دونوں اکٹھے ہوں تو اللہ تعالیٰ بنیاد کو نہیں گراتے اور جس کا کوئی نگران نہ ہو تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔''

اسلام چونکہ دین ہے اور دین تو اسی وقت تک نافذ رہتا ہے جب تک اس کا نافذ کرنے والا موجود ہو۔ اور سچا حکمران بھی وہی ہے جو اسلام کے عدل اجتماعی کا حامل ہو۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ دونوں اکیلے نہیں رہ سکتے۔ اگر اسلام ہو اور قوت نافذہ نہ رہے تو وہ مذہب بن جاتا ہے اور اگر حکمران کے پاس اسلام نہ ہو تو وہ مشرف بن جاتا ہے یا بلش اور بلیئر۔ یہی صورت حال ہے جو اس وقت دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ حکمرانوں کے پاس اسلام نہیں ہے اور اسلام کے پاس حکمران نہیں ہیں۔ اور یہی حقیقت ہے جس کو حضرت عمرؓ نے یوں فرمایا تھا لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ کہ جماعت کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں اور لَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِالْاِمَارَةِ یعنی جماعت کا تصور نہیں ہے بغیر امیر کے۔ اللہ کرے آج اسلام کو جماعت اور امیر مل جائیں یا پھر کسی امیر اور جماعت کو اسلام مل جائے۔

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور

جلد 11 شمارہ 5

31 جنوری تا 6 فروری 2002ء

(۹ تا ۱۵ ذیقعد ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر : حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت : 5 روپے

سالانہ زرِتعاون :

اندرونِ ملک......250 روپے

بیرونِ پاکستان:

☆یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ
..........1500 روپے

☆امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ
..........2200 روپے

حافظ عاکف سعید

مجرم کون؟

وطن عزیز پاکستان جو ۵۵ برس قبل اسلام کے نام پر منصۂ شہود پر آیا تھا' آج ایک ایسی اندھی شاہراہ پر گامزن ہے جو اسے تیزی کے ساتھ اسلام سے دور لے جا رہی ہے اور جس کا انجام اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ پاکستان جسے کبھی اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا تھا' بہت جلد نیو ورلڈ آرڈر کے شیطانی نظام کا ایک کل پرزہ بن کر رہ جائے گا' سوائے اس کے کہ اللہ کی کوئی خصوصی رحمت اور معجزانہ نصرت اسلامیانِ پاکستان کے شامل حال ہو جائے' جس کا بظاہر دور دور امکان نظر نہیں آتا.....**فیا اسفاو یا حسرتا!!**

ہم جو امریکہ کی عنایات ونوازشات کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں' اس کے چشم وابرو کے ایک اشارے پر اپنے ماضی سے قطع تعلق اور اسلام سے مستعفی ہونے کے لئے تیار بیٹھے ہیں...... ہمارے اعمال کی شامت پرویز مشرف کی صورت میں ہمارے سروں پر مسلط ہے جو امریکی وائسرائے کے طور پر اپنا رول بڑی عمدگی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔ ''ہائے کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے!'' اور امریکہ بہادر جو آج ایک بدمست ہاتھی کی طرح اپنی راہ کی ہر رکاوٹ کو کچلنے اور تمام اخلاقی وآفاقی اصولوں کی دھجیاں بکھیرنے پر تلا ہوا ہے' خود صیہونیوں کی انگلیوں پر ناچنے پر مجبور ہے...... جی ہاں! وہی صیہونی جو آج روئے ارضی پر شیطان کی سب سے بڑی ایجنٹ قوت ہے کہ جس کی شاطرانہ چالیں خود شیطان کو بھی مات دے گئی ہیں۔

ملک وملت کا درد رکھنے والے حیران و پریشان ہیں کہ گزشتہ ۵۵ سالوں کے دوران ملک خداداد پاکستان میں اسلامی قوتیں کبھی اتنی کمزور' لاچار اور بے بس نہ تھیں جتنی آج ہیں۔ ؎

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی جیسی اب ہے تیری محفل' کبھی ایسی تو نہ تھی!

دینی ومذہبی طبقات اپنی نگاہوں کے سامنے سیکولرازم کا ننگا ناچ دیکھ رہے ہیں اور اسلام کے نام پر بننے والے ملک سے اسلام کی بے دخلی کا بچشم سر مشاہدہ کر رہے ہیں لیکن ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم!...... پوری قوم اس وقت گن پوائنٹ پر ہے' ایک جانب بھارت کا جنگی جنون ایک ننگی تلوار کی مانند سروں پر مسلط ہے تو دوسری طرف ہماری اپنی سرزمین پر اور سمندری حدود میں امریکی افواج کا راج ہے۔ دینی طبقات کی نیم دلانہ کوششوں کے نتیجے میں گزشتہ ۵۵ سالوں کے دوران آئینی ودستوری سطح پر نظام اسلامی کے حوالے سے جو کچھ بری بھلی پیش رفت ہوئی تھی' اس پر تیشہ چلانے کی تیاری مکمل کی جا چکی ہے!......حمیت وغیرت دینی کا جنازہ نکل چکا ہے۔ دینی اقدار اور شعائرِ اسلامی کی دھجیاں بکھیرنے والوں کو کھلی چھوٹ حاصل ہے جبکہ دینی غیرت کا سبق دینے اور قرآن کے انقلاب آفریں پیغام کا نغمہ سنانے والوں کے لئے قانون زباں بندی ہے یا پھر زنداں کی دیواریں!...... کہ سنگ وخشت مقید ہیں اور سگ آزاد!

یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کے لئے اللہ کی مشیت میں طے شدہ مہلت اب ختم ہوا چاہتی ہے...... یہ پاک سرزمین جو کبھی عالمی ملت اسلامیہ کی آنکھوں کی تارا اور امیدوں کا مرکز تھی' قانونِ الٰہی کی زد میں آ کر خاکم بدہن عذاب کے کسی شدید کوڑے کی مستحق قرار دی جا چکی ہے!!...... حالات کے تیور تو اسی انجام کی خبر دے رہے ہیں!

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے...... پھر یہ سب کیا ہے؟ یہ ہمارے اپنے جرائم اور بداعمالیوں کی سزا ہے جس سے آج ہم دوچار ہیں...... یہ کسی ایک فرد یا ایک طبقے کا جرم نہیں ہے۔ اس میں ملکی قیادت سے لے کر عوام الناس تک درجہ بدرجہ تمام طبقات شریک ہیں' سوائے ان معدودے چند لوگوں کے جو اپنی دینی وملی ذمہ داریوں کو سنجیدگی سے ادا کرتے رہے' جنہوں نے قیام پاکستان کے اصل مقصد یعنی ''قیام ریاستِ اسلامی'' کی جدوجہد کو اپنے گروہی اور مسلکی تعصبات سے بالاتر رکھا اور قوم کو جگانے اور قوم یونس کی طرح اجتماعی توبہ کرنے کی ضرورت کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کا عذر شاید بارگاہ الٰہی میں مقبول ٹھہرے' بقیہ پوری قوم مجرم ہے...... کیا مقتدر طبقات سے لے کر عوام الناس تک پوری قوم دنیا پرستی' مادہ پرستی اور ہوس پرستی کا شکار نہیں ہے؟ امامانِ سیاست ہوں یا امامانِ مذہب سب حبِ جاہ' حبِ مال کے مرض میں مبتلا اور ذاتی وگروہی مفادات کی بیڑیوں میں مقید نہیں ہیں؟ الا ماشاء اللہ' کیا حکمران طبقات کے بعد سب سے بڑا جرم ہماری اس دینی ومذہبی قیادت کا نہیں ہے کہ:

i) جس کی اکثریت نے ہوس پرستی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اسلام کے نام پر مسلک پرستی اور فرقہ واریت کو فروغ دے کر عوام الناس کو دین کی اصل تعلیمات سے نہ صرف دور رکھا بلکہ دین سے بدظن بھی کیا۔

ii) جس کی غالب اکثریت نے اسلام کو دین کی بجائے محض مذہب کے طور پر پیش کیا۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

اگر پاکستان میں اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم ہو جائے تو پوری دنیا اسلام قبول کر لے گی

آج سب سے زیادہ ضرورت دنیا کے سامنے اسلام کے صحیح تصور جہاد کو اجاگر کرنے کی ہے

پاکستان وہ واحد ملک ہے جس میں دورِ حاضر کے مطابق ایک اسلامی فلاحی ریاست بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے

جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری منزل یعنی نظام کو بدلنے کی جدوجہد کے مرحلے پر ایک منظم جماعت قائم کرنا ضروری ہے

جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی دو منزلوں یعنی جہاد مع النفس اور دعوت و تبلیغ کے لئے اصل ہتھیار قرآن ہے

قرآن حکیم کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا جزو لازم ہے اور اس کے بغیر نجات کا کوئی تصور نہیں

جہاد کو قتال کا ہم معنی قرار دینا درست نہیں، مسلمانوں کی ہر جنگ جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہلائے گی

دین حق کو غالب و قائم کرنے کی جدوجہد ہی دراصل ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے

موجودہ حالات میں غلبہ دین کے لئے دوطرفہ قتال کا بدل یکطرفہ قتال ہے

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کے ۲۵ جنوری ۲۰۰۲ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں غیر ہی نہیں' اپنے بھی کچھ مغالطوں کا شکار ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں سب سے بڑا مغالطہ جو بہت عام ہے اور صرف عوام ہی نہیں' خواص کو بھی لاحق ہے' یہ ہے کہ ''جہاد'' کے معنی ''جنگ'' کے ہیں۔ گویا کہ ''جہاد'' کو ''قتال'' کے مترادف یا ہم معنی قرار دے دیا گیا ہے۔ اگرچہ جہاد فی سبیل اللہ کی آخری چوٹی قتال فی سبیل اللہ ہی ہے' لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ لسانیات کا یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ کسی بھی زبان کے دو الفاظ بالکل ایک مفہوم کے حامل نہیں ہوتے۔ اس سے آگے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' اور ''قتال فی سبیل اللہ'' قرآن مجید کی دو مستقل اصطلاحیں ہیں' جو قرآن کریم میں متعدد بار استعمال ہوئی ہیں۔ مثلاً سورۃ الصف چودہ آیات پر مشتمل ایک چھوٹی سی سورۃ ہے اور اس میں یہ دونوں اصطلاحات آئی ہیں۔ اس کی آیت نمبر۴ میں ''قتال فی سبیل اللہ'' کی اصطلاح بایں طور آئی ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر جنگ کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔'' آگے آیت نمبر۱۱ میں فرمایا: ﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ ''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے۔''

ایک دوسری چیز جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور پھر اس کی وجہ سے اصل بدنامی مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے' یہ مغالطہ ہے کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس غلط فہمی کے بدترین نتائج نکلے اور اس نے جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح کو بری طرح بدنام کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ہمارے دورِ ملوکیت میں بادشاہ جو جنگیں کرتے تھے ان کا محرک ان کی ہوسِ ملک گیری ہوتی تھی تاکہ بڑے سے بڑے محل بنا سکیں اور زیادہ سے زیادہ محصولات (Revenues) اکٹھے ہو سکیں۔ لیکن ان جنگوں کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا گیا۔ ظاہر ہے اس کے نتیجے میں اس مقدس اصطلاح کو تو بدنام ہونا ہی تھا۔

اس ضمن میں تازہ ترین مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ گزشتہ صدی کے وسط یعنی پچاس کی دہائی میں الجزائر میں فرانس سے آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی جسے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا گیا تھا۔ حصولِ آزادی کے لئے مسلمانوں کی جنگ ایک جائز جنگ ہے' مگر آزادی کی ہر جنگ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا نتیجہ کیا نکلا؟ جب وہ جہاد کامیاب ہوا تو وہاں ایک سوشلسٹ ریاست وجود میں آ گئی۔ درحقیقت وہ جہاد حریت تھا' جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا۔

یہی حال ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں ہوا۔ افغانستان میں روس کے خلاف جو جنگ لڑی گئی وہ بھی بنیادی طور پر جہادِ حریت' یعنی آزادی کی جنگ تھی۔ اس میں اصل شدت اس وقت پیدا ہوئی جب روسی افواج افغانستان میں داخل ہو گئیں۔ ہم نے اس پر بھی جہاد فی سبیل اللہ کا لیبل دے دیا اور دنیا بھر میں اس کا ایسا ڈنکا بجا کہ جذبۂ شہادت سے سرشار نوجوان پوری دنیا سے کھنچ کر چلے آئے۔ ان کے دل میں وہی جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ تھا' لیکن اس کی اصل کیفیت اور نوعیت تو جہاد حریت کی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روسی افواج افغانستان سے نکل گئیں اور آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جہاد فی سبیل اللہ کا یہ نتیجہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ تو کچھ عرصے بعد دینی مدارس کے کچھ نوجوان اٹھے جنہوں نے امن قائم کرنے کے لئے جہاد کیا۔ چونکہ ان کی اکثریت علماء پر مشتمل تھی لہٰذا انہوں نے جن علاقوں کا کنٹرول سنبھالا وہاں اسلامی شریعت نافذ کی' اس سے امن قائم ہو گیا۔ چونکہ یہ حکومت ایک اسلامی حکومت تھی لہٰذا اب باغیوں یعنی شمالی اتحاد کے خلاف ان کا اقدام ''قتال فی سبیل اللہ'' تھا۔

جہاد کی لغوی بحث:

اس کا مادہ ''ج' ھ' د'' ہے۔ جہد کے معانی کسی چیز کے حصول کے لئے محنت اور کوشش کرنے کے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ باب مفاعلہ میں آئے گا (جہاد/مجاہدہ) تو [illegible] دوطرفہ عمل ہو جائے گا' یعنی جہد کے مقابلے میں جہد' کسی

رکاوٹ کے مقابلے میں محنت اور کوشش۔ بالکل اسی طرح قتل اور قتال کا معاملہ ہے۔ قتل بالکل یک طرفہ عمل ہے۔ ایک شخص جا رہا تھا کسی نے اس کو گولی مار دی' جبکہ اس کے سان گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کوئی مجھے گولی مار دے گا۔ لیکن قتال یا مقاتلہ (باب مفاعلہ) کا مفہوم یہ ہوگا کہ دو فریق ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہیں' یا ایک فوج دوسری فوج کے مقابلے میں ہے۔

جہاد بطور اصطلاح:

قرآن حکیم میں جہاد کا لفظ سب سے پہلے مکی سورتوں میں آیا ہے' لیکن وہاں "جہاد فی اللہ" کے الفاظ آئے ہیں" جہاد فی سبیل اللہ" کے نہیں۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں فرمایا: ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ "جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔" اسی طرح سورۃ العنکبوت کی آخری آیت ملاحظہ فرمائیں' ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "جو لوگ ہمارے لئے جہاد کریں گے (محنت' کوشش' جدوجہد کریں گے) ہم ان کیلئے اپنے راستے کھولتے چلے جائیں گے۔ اور (ان کے لئے رہنمائی دیتے چلے جائیں گے)۔"

اس سے آگے بڑھ کر پھر مدنی سورتوں میں اس کے ساتھ لفظ "سبیل" کا اضافہ ہوگیا اور جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد) ایک اصطلاح بن گئی۔ اسی طرح "قتال فی سبیل اللہ" بھی ایک اصطلاح بن گئی۔

انسان جو جدوجہد اور محنت کرتا ہے اس میں وہ دو چیزیں کھپاتا ہے' یعنی مال اور جان۔ لہٰذا جہاد کے ساتھ ﴿بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ کے الفاظ آتے ہیں۔ یعنی آپ کے پاس جو بھی وسائل و ذرائع ہیں' جو بھی اللہ نے آپ کو دولت دی ہے اس کو اس مقصد کے لئے خرچ کیجئے' اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت' سمجھ' شعور' ذہانت اور جسم وجان کی توانائی دی ہے اس کو بھی اللہ کی راہ میں لگایئے۔

قرآن حکیم کی رو سے جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا جزو لازم ہے' جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ایمان نامکمل ہے۔ ایمان سے یہاں ایمانِ حقیقی مراد ہے۔ اس کے دو لوازم ہیں' ایک دل میں یقین اور دوسرے عمل میں جہاد۔ اس کے لئے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ اور ۱۵ ملاحظہ کیجئے۔ آیت ۱۴ کے آغاز میں ایمان اور اسلام کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (الحجرات : ۱۴)

"یہ بدو دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان ہرگز نہیں لائے' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے (یا ہم نے اطاعت قبول کر لی) جبکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

مذکورہ بالا آیت میں اسلام کا اثبات کرتے ہوئے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ جس کسی نے زبان سے کہہ دیا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" وہ قانونی طور پر مسلمان شمار ہوگا۔ لیکن فرمایا گیا کہ اس مغالطے میں نہ رہنا کہ اس سے تمہیں ایمان بھی حاصل ہوگیا۔ بلکہ بدوؤں سے صاف کہہ دیا گیا کہ تم مسلمان تو ہوگئے ہو لیکن ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اب فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایمان کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے لوازم کیا ہیں؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ چنانچہ سورۃ الحجرات کی اگلی آیت ایمانِ حقیقی کی تعریف کے اعتبار سے قرآن کا جامع ترین مقام ہے۔ اس تمہید کے بعد کہ اسلام اور ہے' ایمان اور ہے' اور یہ کہ تمہارا اسلام تسلیم لیکن تمہارا ایمان کا دعویٰ قابل قبول نہیں' سورۃ الحجرات کی اگلی آیت میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ۱۵)

"(حقیقی) مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر ہرگز شک میں نہیں پڑے اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اپنی جانوں اور مال کے ساتھ' صرف یہی سچے لوگ ہیں۔"

یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے جہاں ایمان کے بعد ﴿ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ کا اضافہ ہے' جس سے معلوم ہوا کہ وہ ایمان مطلوب ہے جو یقین کی شکل اختیار کر گیا ہو اور یقین بھی ایسا کہ اس کے ساتھ شکوک و شبہات کا شائبہ تک نہ ہو۔ ایمانِ حقیقی کی پہلی شرط لازم تو یہ ہوئی۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور یہی لوگ (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حقیقی ایمان کا لازمی مظہر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جہاد ایک پیہم عمل ہے جو ہر دم جاری ہے۔ جہاد اور قتال میں فرق یہ ہے کہ قتال ہر وقت نہیں ہوتا' عام حالات میں وہ فرضِ کفایہ ہوتا ہے' سوائے اس کے کہ نفیر عام ہو۔ چنانچہ قتال فرضِ عین نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی قتال کے لئے نہیں نکلا تب بھی اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہوگیا' بلکہ فرمایا: ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ "(ان دونوں میں سے) ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔" تاہم قتال فی سبیل اللہ کے لئے جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکل آنے والوں کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ جبکہ جہاد فی سبیل اللہ فرضِ عین ہے اور از روئے قرآن جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر نجات کا کوئی تصور ممکن نہیں۔ جہاد کی تین منزلیں ہیں:

جہاد فی سبیل الحیاۃ:

جہاد کی پہلی منزل "فی سبیل الحیات" ہے۔ یعنی زندہ رہنے کے لئے جہاد۔ نظریۂ ارتقاء کے حوالے سے ایک اصطلاح Struggle for Existance اسی مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ زندہ رہنے اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ہر کسی کو جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور اس میں اپنے ابنائے نوع سے مسابقت (competition) کا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ اسی تصور میں "بقائے اصلح" (Survival of the fittest) کا تصور شامل کیا جاتا ہے۔

زندگی کا بھی جہاد اگر بندۂ مومن کرتا ہے تو یہ اس کے لئے عبادت کے درجے میں ہوگا' بشرطیکہ وہ احکامِ الٰہی کی پابندی کرتا ہو۔ اگر وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی معاش کما رہا ہے تو اس کے لئے "اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ" کی بشارت ہے۔ چنانچہ ایک بندۂ مومن حلال اور حرام کی حدود کو قائم رکھتے ہوئے' حلال پر اکتفا کرتے ہوئے اور حرام سے قطعی طور پر بچتے ہوئے "جہاد فی سبیل الحیاۃ" کر رہا ہے تو یہ بھی اس کے لئے عبادت کے درجے میں ہے' لیکن اسے ہم "جہاد فی سبیل اللہ" نہیں کہہ سکتے۔

جہاد فی سبیل الحقوق

"جہاد فی سبیل الحیاۃ" سے بلند تر منزل "جہاد فی سبیل الحقوق" کی ہے۔ اپنے حقوق کی جدوجہد میں سب سے بڑا جہاد "جہاد فی سبیل الحریت" ہے۔ آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور آزادی کے حصول کے لئے جہاد مسلمان اور غیر مسلم سب کرتے رہے ہیں۔ تیسری دنیا نے نو آبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کی تو محنت' جدوجہد اور جہاد کے نتیجے میں۔ کیونکہ اگر کسی قوم نے دوسری قوم کو غلام بنا لیا ہے تو اس سے آزادی حاصل کرنا آسان کام نہیں' لہٰذا اس کے لئے جہاد ہوسکتا ہے' بلکہ قتال کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ یہ جہاد اگر کوئی مسلمان شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے کرتا ہے تو یہ جائز ہے' اور اگر اس میں اپنی جان دیتا ہے تو وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوتا ہے' اگرچہ درجے کے اعتبار سے یہ شہادت وہ نہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں جان دینے سے ہوتی ہے ؎ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی! ــــ شہادت کے درجات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا' لیکن بہر حال یہ مرتبہ شہادت ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا: "جو کوئی اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔"

نظریہ اور نظام کی سطح پر جہاد:

یہ جہاد کی بلند ترین منزل ہے۔ اس کا تعلق انسان کے خیالات' نظریات' عقائد اور سوچ و فکر سے ہے۔ چنانچہ

اپنے پسندیدہ نظریئے کو پھیلانا' عام کرنا اور اس نظریئے پر مبنی نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا نظریاتی جہاد ہوگا۔ فرض کیجئے کہ اگر کسی کے ذہن میں اشتراکیت کا فلسفہ بیٹھ گیا ہے اور وہ اسی کو صحیح سمجھتا ہے' تاریخ کی یہی تعبیر اسے درست معلوم ہوتی ہے تو اب اگر اس نے اس نظریئے کو پھیلانے کی خاطر تن من دھن کی بازی لگا دی تو یہ ''جہاد فی سبیل الاشتراکیہ'' ہے۔ اسی طرح عوام کے جمہوری حقوق کے لئے آواز اٹھانا' جاگیرداری نظام سے آزادی حاصل کرکے جمہوریت کے قیام کی جدوجہد کرنا'' جہاد فی سبیل الدیموکراتیہ'' ہے۔

مسلمانوں کا اپنا ایک نظریہ اور نظام ہے۔ ایمان اور توحید کو مسلمانوں کے نظریئے کا مقام حاصل ہے اور اس نظریئے پر جو نظام قائم ہوتا ہے اسے قرآن میں ''دین حق'' کہا گیا۔ نظریہ توحید کو عام کرنے اور دین حق کو قائم کرنے کی جدوجہد ہی دراصل ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تین منزلیں ہیں:

جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل:

جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل کے تین مراحل ہیں:

۱) جہاد مع النفس: اپنے آپ کو احکام شریعت کا پابند بنانے کے لئے بھی جہاد کی ضرورت ہے اور یہ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل ہے۔ خود مسلمان ہونے کے لئے' خود اللہ کی اطاعت پر کاربند رہنے کے لئے' شریعت کو اپنے اوپر نافذ کرنے کے لئے' اپنے وجود پر اللہ کا حکم قائم کرنے کے لئے' خود اپنی ذات پر خلافت کا نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَفْضَلُ الْجِهَادِ اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى))

''افضل جہاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو اللہ کا مطیع بنانے کے لئے ان کے خلاف جہاد کرو''۔

۲) شیطان لعین اور اس کے غیر مرئی لشکر کے خلاف جہاد: شیطان ہمارے نفسانی تقاضوں پر پھونکیں مارتا اور انہیں مشتعل کرتا ہے۔ شیطان ہمیں ورغلاتا ہے' گناہ اور ضلالت کے راستے کو مزین کرکے دکھاتا ہے' اس لئے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّا فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ (فاطر:۶) ''درحقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو''۔ لہٰذا شیطان اور اس کی ذریت کے خلاف جہاد ضروری ہے۔

۳) بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد: اگر کوئی معاشرہ بگڑ گیا ہے' اس کے رجحانات غلط ہو گئے ہیں تو اس کا ایک دباؤ ہوتا ہے جو انسان کو غلط رخ کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ ہر شخص کو ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہوگا کہ کوئی ہجوم ایک رخ پر جا رہا ہو تو اس رخ پر چلنا بہت آسان ہو جاتا ہے' لیکن اس کے خلاف چلنے کے لئے بڑی مشقت و محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بڑا زور لگا کر آپ دو چار قدم آگے بڑھائیں لیکن اس ہجوم کا ایک ریلا آئے اور وہ آپ کو دھکیل کر پھر دس قدم پیچھے لے جائے۔ لہٰذا اگر معاشرے کا رخ بے حیائی اور سرکشی کی طرف ہے' معاشرہ اللہ کی بغاوت کی راہ پر گامزن ہے اور سب لوگ اس حال میں خوش و خرم' مسرور اور مگن ہیں اور اس رخ پر بڑھتے چلے جا رہے ہیں' تو ایسی صورت حال میں کسی ایک فرد یا چند افراد کا اللہ کے دین پر چلنا نہایت مشکل اور مشقت طلب کام ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ اللہ کے دین کے وفاداروں کو سب سے پہلے اپنے گھر والوں اور پھر اہل محلہ کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑے۔ اس مخالفت کے مقابلے میں ڈٹ جانا اور استقامت کا مظاہرہ کرنا جہاد ہی کی ایک صورت ہے۔ ع ''زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز''۔ یعنی اگر زمانہ تمہارے ساتھ موافقت نہیں کر رہا ہے تو اسے اللہ کی طرف موڑنے کے لئے جہاد کرو۔

جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل:

جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد ہے۔ انسان ایک متمدن حیوان ہے اور ایک معاشرے میں رہتا ہے۔ اگر ایک شخص کو اللہ و آخرت پر پختہ یقین حاصل ہو گیا ہے اور اس نے اپنے آپ کو شریعت کے احکام پر کاربند کر لیا ہے تو یہاں سے یہ بات بالکل فطری طور پر باہر نکلے گی۔ اس لئے کہ اگر آپ نے اندر کے جہاد کا مرحلہ طے کر لیا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ آپ کی شخصیت سے یہ جہاد خارج میں ظہور نہ کرے۔ اگر یہ باہر نہیں نکل رہا تو اس کا مطلب ہے کہ اندر کہیں فساد ہے۔ اگر آپ کو آگ نظر آ رہی ہے لیکن اس کے پاس بیٹھنے سے آپ کو تپش محسوس نہیں ہو رہی تو یقیناً وہ آگ نہیں' صرف آگ کی شکل ہے۔ اسی طرح انسانی شخصیت کے باطنی اثرات کا اپنے ماحول میں سرایت کرنا یقینی ہے۔ یوں بھی اس دین توحید کو جو ہمیں آنحضور ﷺ کے توسط سے ملا ہے' دنیا کے ہر فرد تک پہنچانا امت مسلمہ کے ذمے ہے۔ اس اہم دینی ذمہ داری کی ادائیگی میں باطل عقائد و نظریات کے ساتھ پنجہ آزمائی لازمی ہے۔

باطل عقائد و نظریات کے خلاف جہاد کے لئے دین کی بہت سی اصطلاحات ہیں۔ مثلاً ''دعوت و تبلیغ'' ایک اصطلاح ہے۔ اسی طرح اس کے لئے ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' اور ''وعظ و نصیحت'' جیسی اصطلاحات بھی مستعمل ہیں اور اس ضمن میں جامع ترین اصطلاح ''شہادت علی الناس'' ہے' یعنی دین کی دعوت کا حق اس حد تک ادا کر دینا کہ قیامت کے دن کھڑے ہو کر یہ گواہی دے سکو کہ اے اللہ! ہم نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔

قرآن حکیم دعوت و تبلیغ کے تین درجے بیان کرتا ہے:

۱) ازروئے قرآن دعوت و تبلیغ کے تقاضوں میں سرفہرست ''دعوت بالحکمۃ'' ہے' یعنی حکمت اور دانائی کے ساتھ دعوت۔ اس حوالے سے نوٹ کر لیجئے کہ انسانی معاشرے میں ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جسے معاشرے کے دماغ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے' جس طرح انسان کے جسم میں موجود دماغ (جو بمشکل نصف سیر کا ہوگا) دو من وزنی جسم کو کنٹرول کرتا ہے اور پورا جسم اس کی ہدایات پر عمل کرتا ہے۔ اسی طرح ہر معاشرہ کی ذہین اقلیت پورے معاشرے کو کنٹرول کرتی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہر انقلابی عمل میں سب سے پہلے انقلابی نظریہ کو معاشرے کا ذہین طبقہ قبول کرتا ہے' اور پھر وہ اس بات کو نیچے تک پہنچاتا ہے۔ اس طبقہ کے لئے ظاہر بات ہے' وعظ و نصیحت غیر موثر ہے۔ کیونکہ ان کے دماغوں پر مختلف نظریات' اقدار اور افکار کا تسلط ہوتا ہے۔ اس فکری غلاف کو پھاڑے بغیر ان کے دماغوں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ان سے اسی سطح پر بات کر سکیں اور قرآنی افکار کو اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں اور شمشیر قرآنی سے باطل افکار پر کاری ضرب لگانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان باطل نظریات سے بھی کماحقہ واقف ہوں اور وہ ان پر ایسی معقول تنقید کر سکیں جو مدلل اور منطقی ہو۔ وہاں فتویٰ سے کام نہیں چلے گا' وہاں تو دلائل سے بات کرنا ہوگی۔ ایسے لوگوں کو دعوت کے لئے اعلیٰ علمی صلاحیت اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲) دعوت و تبلیغ کا دوسرا درجہ ''موعظہ حسنہ'' کا ہے' جس کے مخاطب عوام الناس ہوتے ہیں' جن کے ذہن خالی سلیٹ کی مانند ہیں' آپ جو چاہیں اس پر لکھ دیں۔ ان لوگوں کے دل و دماغ میں کوئی فکری خناس نہیں ہوتے' انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ ڈارون کس بلا کا نام ہے اور فرائیڈ کس چڑیا کا نام ہے۔ ان کے لئے ایک دلپذیر وعظ اور اچھی نصیحت کفایت کرتی ہے بشرطیکہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' والا معاملہ ہو یعنی جو بات آپ کہیں وہ بات آپ کے دماغ سے نہیں بلکہ آپ کے دل سے نکلی ہو' چاہے وہ مرصع زبان میں نہ بھی ہو' ٹوٹی پھوٹی زبان میں ہو' لیکن خلوص کے ساتھ دل سے نکلی ہو تو وہ سننے والے کے دل میں سیدھی اتر جائے گی۔

۳) دعوت کا تیسرا درجہ ''جدال حسنہ'' کا ہے: ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ یہ جدال کن لوگوں کے خلاف ہوگا؟ ظاہر ہے ع ''ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالب!'' کے مصداق اس معاشرہ میں صرف آپ ہی

دعوت وتبلیغ میں سرگرم نہیں ہیں' یہاں عیسائی مشنریز بھی کام کر رہی ہیں' قادیانی مبلغین اور بہائی بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں' ان کے ساتھ آپ کو مجادلہ کرنا پڑے گا۔ ان لوگوں نے اس کام کو بطور پیشہ اپنایا ہے اور انہیں اس کی تنخواہ ملتی ہے۔ وہ اس کام کے لئے پوری طرح تیاری کرتے ہیں اور تربیت لیتے ہیں۔ چنانچہ دعوت وتبلیغ کے میدان میں ان سے جدال یعنی بحث ومباحثہ کرنا پڑے گا تاکہ ان کو چپ کرایا جاسکے' ورنہ عوام الناس پر ان کا منفی اثر ہوگا۔ اس کے لئے ہمارے ہاں خاص طور پر مناظرہ کا فن ایجاد ہوا۔

جہاد فی سبیل اللہ کی ان دو منزلوں (جہاد مع النفس اور دعوت) پر جہاد کے لئے ہتھیار صرف ایک ہے' اور وہ قرآن ہے۔ نفس کے خلاف جہاد کے لئے بھی آپ کو جو تلوار درکار ہے وہ قرآن ہے۔ دعوت کے ضمن میں بھی قرآن ہی وہ آلہ ہے جس کے ذریعے یہ دوسری منزل سر ہوگی۔ کیونکہ حکمت کا منبع وسرچشمہ بھی قرآن مجید ہے' پھر یہ کہ موعظہ حسنہ بھی قرآن ہے' اور جدال کے لئے سارا مواد بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ گویا جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی اور دوسری منزل پر جو ہتھیار درکار ہے وہ قرآن ہے۔ اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں منزلوں پر کسی جماعت میں شمولیت لازمی نہیں' یہ کام انفرادی طور پر بھی ہو سکتا ہے' تاہم یہ کام اگر اجتماعی صورت میں مل جل کر کیا جائے تو یہ چیز یقیناً موجب خیر وبرکت ہوگی۔

جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری منزل:

جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل نظام کی سطح پر جہاد' یعنی نظام کو بدلنے کی جدوجہد ہے۔ یہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے باطل نظام اور طاغوت کے خلاف جہاد ہے۔ اس کے لئے قرآن مجید میں مختلف اصطلاحات آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اصطلاح ''تکبیر رب'' ہے۔ فرمایا:

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ یعنی اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کرو' اس کی کبریائی کو نافذ کرو' وہ بلاشک وشبہ بڑا ہے' لیکن اس کی بڑائی مانی نہیں جارہی۔ اس کی بڑائی منواؤ!

اس ضمن میں دوسری اہم اصطلاح ''اقامت دین'' کی ہے۔ فرمایا:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ﴾

(الشوریٰ: ۱۳)

''کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔''

یہ دین مغلوب ہونے کے لئے نہیں آیا۔ اس کے غلبہ وقیام کی جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔

اسی کو جدید اصطلاح میں ''اسلامی انقلاب'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی دو منزلوں پر اصل ہتھیار قرآن ہے اور ان دونوں سطحوں پر کسی منظم جماعت کا ہونا لازمی نہیں' لیکن تیسری منزل کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسی منظم جماعت وجود میں آئے جو ایمان وتوحید کی انقلابی دعوت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہو۔ قومی بنیاد پر کوئی گروہ منظم کرے یا قومی سطح پر کوئی جدوجہد شروع کرنا مقصود نہ ہو۔ بلکہ جو لوگ بندگی رب اور شہادت علی الناس کی دعوت شعوری طور پر قبول کر کے آئیں ان پر مشتمل ایک منظم جماعت قائم کرنا ضروری ہے۔

اقامت دین کے مراحل:

جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری منزل یعنی ''اقامت دین'' کی جدوجہد کے لئے ایک منظم جماعت ناگزیر ہے۔ یہ جماعت ایسے افراد پر مشتمل ہونی چاہئے جو جہاد فی سبیل اللہ کی اولین منزل سے گزر کر آئے ہوں۔ یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد کر کے اسے اللہ کا مطیع بنانے کا عزم لے کر آئے ہوں۔ یہ جماعت اپنے کارکنوں کی تربیت کرے گی۔ پھر یہ دوسری منزل کا جہاد یعنی دعوت وتبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائے گی تاکہ تیسری منزل یعنی اقامت دین کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی اس تیسری منزل یعنی اقامت دین کے تین مراحل ہیں جو سیرت نبویؐ سے ماخوذ ہیں۔

۱) **صبر محض**: یہ جماعت جب اقامت دین کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے گی تو پہلا مرحلہ صبر محض (Passive Resistance) ہوگا' اس لئے کہ ماحول مخالفت کرے گا۔ پہلے زبانی اور پھر جسمانی طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا' پاگل اور دیوانہ کہا جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ سے کہی گئیں۔ حضور ﷺ کو مجنون' شاعر' ساحر اور مسحور کیا کچھ نہیں کہا گیا۔

انقلابی جدوجہد میں صبر محض کی حکمت عملی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی خاموش اکثریت (Silent Majority) کی ہمدردیاں ان انقلابی افراد کی طرف منعطف ہونا شروع ہو جاتی ہیں جو ہر طرح کی سختیاں جھیل کر عزیمت کی مثالیں قائم کرتے ہیں۔ کسی انقلابی جدوجہد میں Passive Resistance کا دور انتہائی موثر اور فیصلہ کن ہوتا ہے اور آئندہ کی کامیابیوں کی ضمانت یہیں سے ملتی ہے۔

۲) **اقدام**: اگلے مرحلے میں اس انقلابی جماعت کی قیادت جب یہ محسوس کرے کہ اب ہم مناسب حد تک مضبوط ہیں' ہماری تعداد بھی کافی ہے' کارکنوں کی تربیت بھی صحیح ہوئی ہے' انہوں نے اپنے نفس کو قابو میں کر لیا ہے' ان کی نیتیں بالکل خالص ہو چکی ہیں' ان کی جدوجہد خالصتاً لوجہ اللہ ہے۔ اب ہم باطل نظام سے تصادم مول لینے کی پوزیشن میں آگئے ہیں تو اب اقدام کیا جائے اور آگے بڑھ کر اس نظام باطل کو چھیڑا جائے۔

۳) **تصادم**: جب آپ نظام باطل کو چھیڑیں گے اور اس کے پاسبانوں کے مفادات پر جب ضرب پڑے گی تو وہ اپنے نظام کے دفاع کے لئے اٹھیں گے اور پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوں گے اور پھر بالفعل تصادم کا آغاز ہوگا۔

اس تصادم کی ایک شکل وہ ہے جو ہمیں سیرت نبویؐ میں نظر آتی ہے۔ یہ قتال فی سبیل اللہ تھا۔ آج کے دور میں ہمارا مقابلہ مسلمان حکمرانوں سے ہے' جبکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے مقابل کفار ومشرکین تھے' ہمیں سوچنا ہوگا کہ آیا اس قتال کا کوئی متبادل ممکن ہے!

موجودہ حالات میں مسلح تصادم کا متبادل:

ہمارے موجودہ حالات دور نبویؐ کے حالات سے کئی اعتبارات سے مختلف ہیں۔ آج حکومتیں بہت طاقتور ہیں اور وہ باطل نظام کی محافظ ہیں۔ ملک میں اگر جاگیرداری نظام رائج ہے تو حکومت میں جاگیردار بیٹھے ہیں' سرمایہ داری نظام میں سرمایہ دار حکومت سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ نظام کو بدلنا چاہیں گے تو وہ لوگ چونکہ حکومت پر فائز ہیں اس لئے وہ اپنے تمام تر وسائل آپ کے خلاف استعمال کریں گے۔ حکومت پر فائز ہونے کے ناطے مسلح افواج' ایئر فورس' پولیس اور پیرا ملٹری فورسز ان کے اختیار میں ہیں' جبکہ عوام نہتے ہیں۔ اس لئے یہ مقابلہ اتنا غیر مساوی ہو گیا ہے کہ موجودہ حالات میں دو طرفہ قتال کا معاملہ قابل عمل نظر نہیں آتا۔ تاہم نوٹ کیجئے کہ یہ بہرحال جائز ہے' جہاں بھی اس کے قابل عمل ہونے کا امکان ہو وہاں فاسق وفاجر حکمرانوں سے قتال کیا جاسکتا ہے۔ اس کو کسی نے حرام نہیں کیا۔ لیکن اگر باطل نظام ہر نوع کی قوت سے مسلح اور عوام بالکل نہتے ہیں تو اس صورت میں ایک متبادل راستہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ انقلابی جماعت کو اپنی طاقت کا اظہار عوامی سطح پر منظم مظاہروں کی صورت میں کرنا ہوگا اور حکومت کے خلاف ایک تحریک مزاحمت اٹھانا ہوگی۔ یہ تحریک عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک ہوگی' جو بالآخر غیر مسلح بغاوت (Unarmed Revolt) کی صورت اختیار کرے گی۔ یہ غیر مسلح بغاوت یک طرفہ ہوگی' جس میں حصہ لینے والے خود جان دینے کے لئے تیار ہوں' لیکن کسی کی جان کے درپے نہ ہوں۔ قتال اگرچہ دو طرفہ معاملہ ہے لیکن اس میں بھی اصل شے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آنا ہوتا ہے' تو جو شخص اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے میدان میں آگیا ہے تو گویا اس نے قتال کا تقاضا پورا کر دیا۔ قتال اگر یک طرفہ ہو اور غیر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کرے تو اس میں حصہ لینے والوں کو پولیس اور فوج کی گولیوں کا نشانہ بننا پڑے گا' ان پر لاٹھی چارج ہوگا اور یہ جیلوں میں ٹھونسے جائیں گے۔

اگر لوگ اس کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو گویا انہوں نے وہ شرط پوری کر دی ہے کہ وہ اپنے خون سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اللہ تعالیٰ کے نظام کی سربلندی کی جدوجہد کی گواہی دینے کو تیار ہیں۔ اس حوالے سے یہ سول نافرمانی اور غیر مسلح بغاوت ''مسلح تصادم'' (Armed Conflict) کا بدل ہے۔ اس موقع پر خاموش اکثریت جس کی ہمدردیاں اس انقلابی جماعت کے ساتھ ہوں گی بالفعل میدان میں آئے گی اور باطل نظام کے رکھوالے بھاگ جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس مرحلے کی ایک جھلک ہمیں انقلاب ایران میں نظر آتی ہے جب شاہ ایران کو وہاں سے بھاگنا پڑا اور ایران میں شیعہ علماء کی حکومت قائم ہو گئی۔

آج سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا کے سامنے اسلام کے صحیح تصور جہاد کو صحیح طور پر اجاگر کیا جائے۔ لفظ جہاد کو بدنام کرنے میں جہاں غیروں کا قصور ہے وہاں اپنے بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہماری اپنی غلطی یہ ہے کہ ہم نے جہاد کو جنگ کا مترادف قرار دے دیا اور غلبہ دین کے لئے کام کرنے والی بعض عجلت پسند دینی تحریکوں نے تشدد کا راستہ اختیار کر کے اسے بدنام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی میڈیا نے آج لفظ جہاد کو گالی بنا کر رکھ دیا ہے۔ صدر پاکستان نے بھی اپنے قوم سے حالیہ خطاب میں جہاد اصغر اور جہاد اکبر کے حوالے سے جہاد کی غلط تشریح کی ہے۔ ویسے بھی جس حدیث کا انہوں نے اپنی تقریر میں حوالہ دیا ہے' وہ محدثین کے نزدیک مستند نہیں ہے۔

افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کی صورت میں اگرچہ اسلامی نظام قائم ہو گیا تھا لیکن ابھی اس نظام کی برکتیں پوری طرح سامنے آنے بھی نہ پائی تھیں کہ طاغوتی طاقتیں مجتمع ہو کر اس پر ٹوٹ پڑیں۔ تاہم ان کے دور کا مثالی امن و امان آج بھی افغانی عوام یاد کرتے ہیں۔ البتہ پاکستان وہ واحد ملک ہے جس میں دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک اسلامی فلاحی ریاست بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ اگر پاکستان میں اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم ہو جائے تو اس نظام کی برکات دنیا کے سامنے آجائیں گی اور کوئی بعید نہیں کہ پوری دنیا اس نظام کو اپنا لے۔ لہٰذا پاکستان کے عوام اور دینی جماعتوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے اپنا تن من دھن وقف کر دیں۔

نامے مرے نام

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہوں گے۔ آپ کی تقریر اور تحریر کا ہر ہر لفظ نہایت موزوں اور برمحل ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں آپ نے اخبار میں ایک اشتہار دیا تھا جو بعد میں ایک ہینڈ بل کی شکل میں چھپ کر تقسیم بھی ہوا۔ اس میں آپ نے فرانسیسی زبان کے دو الفاظ استعمال کئے ہیں جو نہایت برمحل ہیں لیکن بولتے وقت اکثر لوگ ان کا صحیح تلفظ ادا نہیں کرتے۔ مجھے چونکہ تھوڑی سے فرانسیسی آتی ہے اس لئے یہ جسارت کر رہا ہوں۔ ان کا صحیح تلفظ ہے:

رے زاں دے ایٹر Raison d'etre

(The reason for or purpose of a thing's existence)

دعا گو

محمد سہیل قریشی

گلبرگ لاہور

محوِ حیرت ہوں......

مانیں یا نہ مانیں

ایک واقعہ جو آج مجھے مسجد میں نماز فجر کے دوران پیش آیا' کم از کم راقم نے گزشتہ چالیس برسوں کے عرصے میں نہ سنا اور نہ دیکھا۔ امام مسجد صاحبِ ذوق اور عربی کے استاذ ہیں۔ آج نماز فجر میں انہوں نے سورۃ رحمٰن تلاوت کی اور خاص سوز اور درد کی کیفیت میں ان کی آواز گلوگیر ہو گئی اور گریہ طاری رہا اور نمازیوں میں سے اکثر کو بھی رلا دیا۔

فرض نمازوں میں اور بالخصوص حرمین شریفین سے باہر ایسا واقعہ آج کے دور میں ''خرق عادت'' کے قبیل کی شے ہے۔

خلاف رسم دریں عہد ز خرق عادت دان
کہ کار ہائے چنیں از شمار بوالعجبیست

(تحریر: انجینئر مختار حسین فاروقی)

سب جانتے ہیں کہ

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان میں کبھی انگریزی میں تقریر نہیں کرتے۔

البتہ امریکہ میں وہ مجبوراً انگریزی زبان میں خطاب کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کے

شکاگو کے سب سے بڑے اسلامی سنٹر میں خطابات

کا ایک سلسلہ آڈیو اور ویڈیو دونوں میں ریکارڈ کیا گیا تھا

جو بیس گھنٹوں کے دورانئے پر محیط ہے ـــــ جن میں:

(۱) چھ گھنٹے حقیقتِ ایمان (۲) دو گھنٹے اقسامِ شرک

(۳) دو گھنٹے حقیقتِ جہاد (۴) دو گھنٹے حقیقتِ نفاق' اور

(۵) آٹھ گھنٹے حقیقتِ خلافت علیٰ منہاج النبوت پر شامل ہیں

پاکستان کی وہ نوجوان نسل جو انگلش میڈیم کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کے باعث لٹریری اردو سے تقریباً بے بہرہ ہو چکی ہے اسے دین کے اساسی تصورات روشناس کرانے کے لئے ان آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے

قیمت مکمل سیٹ آڈیو (20 کیسٹس) : 600 روپے

ویڈیو (8 کیسٹس) :1000 روپے' کمپیوٹر سی ڈی:60 روپے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن**

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور' فون:03-501-5869

انتقالِ پُر ملال

تنظیم اسلامی کراچی (شرقی) کے رفیق جناب عبدالقادر انبڑ کے برادر بزرگ انتقال کر گئے ہیں۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مخلوط انتخابات اور تعلیم یافتہ اسمبلیاں

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابوالحسن

پاکستان کو قائم ہوئے پچپن سال ہونے کو ہیں لیکن ہم ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ قیام پاکستان کا حقیقی جواز کیا تھا۔ آیا ہم پاکستان قائم کر کے ایک اسلامی فلاحی ریاست کی نظیر قائم کرنا چاہتے تھے یعنی ایک نظریاتی ریاست کی تشکیل مقصود تھی یا پھر ہندو کی چیرہ دستیاں' معاشی جکڑ بندیاں اور سماجی مغلوبیت کا خوف تھا؟ شاید اسلامی نظریاتی ریاست مطلوب ہی نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کا ایک عام ملک بنانا مقصود تھا تا کہ غیر مسلم اکثریت کے غلبہ اور جبر سے محفوظ رہا جا سکے۔ ہم آج تک یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکے کہ ہمارا حکومتی نظام صدارتی ہو یا پارلیمانی' فیڈرل ہو یا وحدانی (Unitary)' تمام صوبوں کو ملا کر ون یونٹ بنا دیا جائے یا پہلے سے موجود صوبوں کو بھی مزید تقسیم کر دیا جائے' کنٹرولڈ جمہوریت ہو یا مکمل بااختیار پارلیمنٹ ہو' صرف ایک ایوان ہو یا ایوان زیریں اور ایوان بالا دونوں ہوں' عام نمائندگی ہو یا متناسب نمائندگی ہو۔ مزید یہ کہ صدر اور وزیراعظم میں طاقت کا توازن کیسے قائم کیا جائے کیونکہ صدر یا بے اختیار فضل الٰہی ہو جاتا ہے یا پھر اسمبلی کش ضیاء الحق' طرز انتخابات مخلوط ہو یا جداگانہ' اسمبلی ممبر انگوٹھا چھاپ ہو یا اس کے لئے کوئی تعلیمی معیار مقرر کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی پچپن سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ''برکہ آمد عمارت نو ساخت'' کی ضرب المثل صرف اور صرف پاکستانی حکمرانوں کی کارکردگی پر صادق آتی ہے۔ ہر حاکم نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے اکھاڑ پچھاڑ کی۔ فوجی حکمرانوں کو پارلیمانی جمہوریت میں اپنا چانس نظر نہیں آتا تو وہ صدارتی نظام کو تمام مسائل کا حل قرار دیتے ہیں۔ پھر انتخابات کو زیادہ سے زیادہ دیر تک ٹالنے کے لئے انہیں گراس روٹ لیول پر جمہوریت ملک و قوم کی بقا کے لئے ناگزیر محسوس ہوتی ہے۔ ہر حاکم کا بنیادی نظریہ اور اصل الاصول یہ ہے کہ میری کرسی کیسے مضبوط ہوگی!

جداگانہ طرز انتخاب پاکستان کے قیام کا جواز تھا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین میں یہی طرز انتخاب طے کیا گیا لیکن چونکہ مشرقی پاکستان کے لیڈر وہاں کی ہندو آبادی کے دباؤ پر مخلوط انتخابات کے حق میں تھے لہٰذا یہ عجیب و غریب تجویز بھی بڑی سنجیدگی سے سامنے آئی کہ مشرقی پاکستان میں انتخابات مخلوط ہوں جبکہ مغربی پاکستان میں جداگانہ۔

ایک عرصہ تک سیاست دانوں کی جنگ طرز انتخاب پر ہوتی رہی۔ صدر سکندر مرزا جو فوج میں میجر جنرل تھے' پھر سول بیوروکریسی میں کئی حکومتوں کی آمد و رفت کا ذریعہ بنے اور بالآخر خود ایوان صدر میں جلوہ افروز ہو گئے' سیاسی داؤ پیچ کے بڑے نامور کھلاڑی تھے۔ انہوں نے سیاسی incubator کے ذریعے اسمبلی کے اندر راتوں رات ایک جماعت کی تخلیق کی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس کا نام ری پبلکن پارٹی رکھا۔ ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کے ایک اجلاس کے دوران اس پارٹی کے ممبران کو ڈرا دھمکا کر مخلوط طرز انتخابات کا بل منظور کروا لیا گیا۔ اگرچہ اس پارٹی کے بہت سے ارکان بل سے اتفاق نہیں کر رہے تھے لیکن انہیں معلوم تھا کہ یہ اجلاس مشرقی پاکستان میں ہو رہا ہے اور انہیں خیر و عافیت سے مغربی پاکستان پہنچنا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ملک دولخت ہو گیا لیکن اس سے سبق حاصل نہیں کیا گیا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں پھر مخلوط طرز حکومت اپنایا گیا۔ یہ آئین پاکستان پیپلز پارٹی نے ملک کو دیا تھا اور ذوالفقار علی بھٹو کو دو وجوہات کی بنا پر مخلوط طرز انتخاب راس آتا تھا:

(۱) سندھ میں خاصی تعداد میں ہندو آبادی تھی اور مخلوط طرز انتخاب کی وجہ سے یہ سارا ووٹ پی پی پی کو مل سکتا تھا۔

(۲) ذوالفقار علی بھٹو نے سوشلزم کا نعرہ دیا تھا جس سے مذہبی اور سیکولر ووٹ میں واضح تقسیم ہو گئی تھی۔ بھٹو کو سیکولر ووٹ کی ضرورت تھی جو مخلوط طرز انتخاب کا حامی تھا۔

۱۹۷۷ء کی اینٹی بھٹو تحریک کو مذہب کی پخ لگائی گئی۔ مذہبی جماعتیں ہی اس تحریک کا ہراول دستہ تھیں۔ جنرل ضیاء الحق نے اس تحریک کو اچک لیا۔ وہ خود بھی کسی قدر مذہبی رجحان رکھتے تھے اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے انہیں سیکولر بھٹو کی مخالف مذہبی جماعتوں کی حمایت کی ضرورت تھی' لہٰذا ان کے دور میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے جداگانہ طرز انتخاب طے کر لیا گیا۔ جنرل مشرف نے نواز شریف حکومت کو ختم کیا جن کی راہ و رسم مذہبی جماعتوں کے ساتھ تھی' پھر یہ کہ وہ کتے کے پلے گود میں لئے تخت نشین ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں ۱۱ ستمبر کے بعد اسلام کو گالی بنا دیا گیا۔ اب سپر پاورز کے لئے خود کو قابل قبول بنانے کے لئے ہر وہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے جس سے پتہ چلے کہ ہم مذہب سے کوسوں دور ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم' ملک یا جماعت کسی نظریہ سے تھوڑی سی کھسکتی ہے تو پھر پھسلنے کا یہ عمل کسی ایک مقام پر روک لینا خود ان کے اپنے اختیار میں نہیں رہتا۔ ایک ایسا ملک جس کی بنیاد صرف اور صرف اسلام ہو وہاں قانون سازی کے لئے غیر مسلموں کی موجودگی چہ معنی دارد؟ کیا ایک غیر مسلم قانون ساز یا آئین ساز اسمبلی کا ممبر یہ کہے گا کہ فلاں قانون اگرچہ میرے عقیدے اور ایمان سے متصادم ہے لیکن چونکہ اسلام کے مطابق ہے اور پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہے لہٰذا میں اس قانون کے نفاذ کے حق میں ہوں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسمبلی ہر قانون کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھے۔ قرآن اور سنت کے منافی قانون سازی کا تصور بھی گناہ سمجھا جائے۔ رسم زمانہ اور دنیا کے مطالبات چاہے کچھ کیوں ہی نہ ہوں' جب ہم اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات اور دین فطرت قرار دیتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے وقت کے پیدا کئے گئے نئے تقاضے کو بحسن و خوبی نمٹ نہ سکیں۔ ۱۹۷۳ء کے آئین پر ہماری مذہبی جماعتوں کے ان تمام رہنماؤں کے دستخط موجود ہیں جو اس وقت قومی اسمبلی میں موجود تھے۔ مصلحت یا وجہ جو بھی ہو' آج مذہبی جماعتیں کس منہ سے مخلوط طرز انتخاب کی مخالفت کر رہی ہیں جبکہ پی ٹی وی مولانا مفتی محمود اور پروفیسر غفور احمد کو ۱۹۷۳ء کے آئین پر دستخط کرتے ہوئے بار بار دکھا رہا ہے۔ بہر حال اقتدار کی سیاست کا تقاضا ہے کہ ہم گول کو چوکور میں اور چوکور کو گول میں داخل کرنے کے لئے اپنی مرمت کرتے رہتے ہیں اور اس معاملے میں میدان سیاست کے تمام کھلاڑی چاہے وہ مذہبی ہوں یا سیکولر' ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کے لئے پینترے بدلتے رہتے ہیں۔

جہاں تک اسمبلی ممبر کے لئے تعلیم کی پابندی کا معاملہ ہے' سوال یہ ہے کہ اسمبلی ممبر پر جب کوئی اور پابندی نہیں ہے تو یہ پابندی کیوں ہو! ماضی میں پاکستان میں جو لوٹ کھسوٹ کی گئی اور جمہوری روایات کی جو پامالی ہوئی' کیا

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

خدا کا اعتماد سب سے بڑا اعتماد

یہ چھوٹا سا جملہ جو ایک عنوان کے طور پر استعمال ہوا ہے' اپنے اندر بے پناہ طاقت رکھتا ہے۔ ایک انسان اس پر عمل کرنے کے بعد طاقتور بن جاتا ہے۔ پھر وہ ہر ہر معاملے میں خدا کی طرف دیکھتا ہے اور حالات کیسے بھی ہوں' اللہ کی مرضی اور منشاء کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس رویے کو دوسرے الفاظ میں ایمان بالغیب اور اس کے اپنانے والے کو مؤمن کہا جاتا ہے۔ اس رویے کا خلاصہ اور لب لباب اعتماد علی اللہ ہے کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے' وہ دھوکا ہے اور جو کچھ نظر نہیں آ رہا' وہ حقیقت ہے۔ اسی رویے کی عملی تعلیم کے لئے انبیاء کرامؑ آئے۔ انہوں نے اس عقیدے کی حفاظت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دیں اور حالات کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا' حالانکہ یہ حضرات ہر قسم کے مادی سہاروں سے تہی دست ہوتے تھے۔ انبیاء کرام کے بعد ان کے متبعین نے ان کی پیروی کرتے ہوئے نامساعد حالات میں اس عقیدے کو زندہ رکھا۔ چنانچہ اگر کل صحابہ کرامؓ بدر کے میدان میں اس عقیدے پر مر مٹے تھے تو آج طالبان نے افغانستان کی سرزمین پر اس عقیدے کی آبیاری اپنے خون سے کی۔

اللہ پر اعتماد کرنے والے یہ نہیں دیکھتے کہ مقابلے میں کون ہے' یہی اس عقیدے کی اصل روح ہے ——— ورنہ کہاں حضرت موسیٰؑ کی بے سروسامانی اور کہاں ایک بہت بڑی سلطنت کا فرمانروا اور بزعم خویش خدائی کا دعویدار فرعون! کہاں حضرت ابراہیمؑ کی تہی دستی اور کہاں وقت کا طاقتور بادشاہ نمرود! کہاں مکہ اور مدینہ کے بڑے بڑے جابر رؤسا اور ان کا طاغوتی نظام اور کہاں مادی وسائل سے محروم جناب حضرت محمد ﷺ! اسی سنت پر عمل پیرا ہو کر طالبان نے اس دور کی فرعونی طاقت سے ٹکر لی۔

حق و باطل کے درمیان جو جنگ افغانستان کی سرزمین پر لڑی گئی جس میں پوری دنیا کی افرادی اور مادی قوت ایک طرف تھی جبکہ مجبور و مقہور اور بے سروسامان طالبان دوسری طرف' کیا کوئی بڑے سے بڑا ریاضی دان اس کمپیوٹرائزڈ دور میں اس نسبت و تناسب کو معلوم کر سکتا ہے؟ بالکل نہیں' اس لئے کہ اس جنگ میں فریقین کے درمیان نسبت و تناسب کا معاملہ بالکلیہ مفقود تھا۔ لیکن جیسا کہ بتایا گیا' حق و باطل کے مابین جتنے بھی معرکے ہوئے ہیں' ان میں حق کے پیروکار باطل کے مقابلے میں نہ تو مادی وسائل سے مالا مال تھے اور نہ دفاعی ساز و سامان میں برتر۔ البتہ ان کو جس جذبے نے میدان میں اترنے پر مجبور کیا' وہ ہے خدا پر اعتماد۔ بالکل یہی معاملہ طالبان کا ہوا' جنہوں نے خدا پر اعتماد کر کے پورے دو ماہ عالمی طاقتوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ طالبان کا امریکہ جیسی واحد ارضی طاقت کو میدان میں للکارنا اس امر کی قوی دلیل ہے کہ وہ دولت ایمانی یعنی اللہ پر بھروسے کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اس جذبے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مایوسی کا شکار نہیں ہوتا' بلکہ وہ طاقتور دشمنوں میں گھر کر بھی عزم و ہمت کی چٹان بنا رہتا

غلام اللہ حقانی

ہے۔ یہی جذبہ مادی وسائل سے کئی گنا زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس سے آدمی کے اندر وہ ہمت پیدا ہوتی ہے کہ وہ خالی ہاتھ ہو کر بھی اپنے حریف سے کامیاب مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس جذبے سے طاقتور حریف بھی مرعوب رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی افواج دو ماہ کی اس جنگ میں طالبان سے براہ راست مقابلہ کی ہمت نہ کر سکیں' بلکہ ہر محاذ پر شمالی اتحاد کے کاندھے پر بندوق رکھ کر گولی چلائی۔ وہ طالبان کی خود اعتمادی اور خدا اعتمادی سے سخت خوف زدہ تھے۔

آج طالبان کا یہی رعب امریکہ اور ان کے اتحادیوں پر چھایا ہوا ہے۔ طالبان کی حکومت ختم کرنے کے بعد بھی امریکہ کو چین اور سکون نصیب نہیں ہوا۔ مادی سہاروں سے کسی کو مرعوب کرنا وقتی معاملہ ہوتا ہے۔ جب وہ سہارے چھن جاتے ہیں تو کل کا بہادر آج کا بزدل بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس جن کا اعتماد خدائے لازوال پر ہو جیسے کہ طالبان کا تھا' تو ایسے لوگ ہر حال میں شجاعت و عزیمت کی چٹان بنے رہتے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم میں جب اتحادی فوجوں نے جرمنی کو شکست سے دوچار کیا تو تمام نازی لیڈروں کو برلن میں پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا۔ ہٹلر اور گوئرنگ نے تو پہلے ہی خودکشی کر لی تھی۔ زندہ گرفتار ہونے والے لیڈر وہ افراد تھے جنہوں نے تقریباً ۴۰ لاکھ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی املاک پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے ایک ایسی خونی جنگ چھیڑی تھی جس میں خود جرمن قوم کے ۲۰ لاکھ سپاہی کام آئے تھے۔ اس قدر انسانی ہلاکتوں کے علاوہ انہوں نے لاکھوں انسانوں کو بیگار کیمپوں میں جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے دل کی سختی کا یہ عالم تھا کہ اپنے ملک کے بوڑھے' معذور اور بیمار لوگوں کو بے فائدہ قرار دے کر گولی سے اڑا دیتے۔ مگر شکست کے بعد ان کا یہ حال ہوا کہ جب وہ پھانسی کے تختے کے سامنے لائے گئے تو ان کے چہرے زرد تھے' ان کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ وہ کچھ بولنا چاہتے تھے مگر شعلہ بیانی کے جوہر دکھانے والے یہ لیڈر گویائی کی طاقت کھو چکے تھے۔ مادی سہارے پر قائم بہادری اس وقت بزدلی میں تبدیل ہو جاتی ہے جب مادی سہارا چھن جاتا ہے۔

یہی معاملہ امریکہ کو در پیش ہے۔ جب اسی سرزمین پر یہ مادی سہارے ان سے چھن جائیں گے تب ان کی اصل حقیقت سامنے آئے گی۔ دوسری طرف طالبان جس کے سہارے میدان میں بے سروسامان ہو کر اترے تھے وہ ایک زندہ اور طاقتور خدا کا سہارا ہے۔ خدا پر طالبان کا یہ اعتماد کل بھی تھا اور آج بھی ہے۔ امریکہ کو طالبان کے اس موقف کی بدولت یہ یقین ہو چکا ہے کہ وہ اس کی مادی طاقت سے دبنے والے نہیں۔ لہٰذا وہ طالبان سے مرعوب بھی ہے اور ڈرا ہوا بھی۔ اس پس منظر میں اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکہ اپنے مادی سہاروں کی بدولت کب تک زندہ رہتا ہے!

جذب دروں' شوق زیارت اور عقیدت و محبت سے معمور زیارت حرمین شریفین کی روداد

شوقِ حرم

از قلم: عتیق الرحمٰن صدیقی (ہری پور)

تقدیم: حافظ محمد ادریس (امیر جماعت اسلامی پنجاب)

زائرین حرمین شریفین کے لئے ایک ... تحفہ

دیدہ زیب ٹائٹل' سفید کاغذ' عمدہ طباعت

صفحات: 100 قیمت: 45 روپے

شائع کردہ: نور اسلام اکیڈمی

پوسٹ بکس 5166 ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 58847898

تربیتی کورسز کا شیڈول

☆ ۱۰ فروری تا ۱۶ فروری ۲۰۰۲ء	مبتدی	قرآن اکیڈمی' ملتان
☆ ۱۷ مارچ تا ۲۳ مارچ ۲۰۰۲ء	ملتزم	مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' گڑھی شاہو لاہور
☆ ۳۱ مارچ تا ۱۶ اپریل ۲۰۰۲ء	مبتدی	فیصل آباد

(المعلن: چوہدری رحمت اللہ بٹر' ناظم دعوت و تربیت' تنظیم اسلامی)

ان کا قصور کیا ہے؟

ابوالعزام

یہ کون لوگ ہیں..... ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے ہاتھ..... پاؤں میں الجھی ہوئی آہنی بیڑیاں..... آنکھوں پر چڑھے ہوئے گہرے سیاہ چشمے..... کانوں میں ٹھنسے ہوئے روئی کے گالے..... چہروں پر گرے ہوئے سیاہ نقاب..... زنجیروں میں لپٹے ہوئے اجسام..... رستے ہوئے زخم..... دکھتے ہوئے اعضاء..... کراہتے ہوئے بدن..... مصائب و شدائد کے کوہ گراں اٹھائے ہوئے..... اپنوں سے دور..... بلکہ بہت دور..... قید و قفس کی شدید اذیتوں میں گھرے ہوئے یہ افراد!

جانتے ہیں آپ..... یہ کون لوگ ہیں.....؟

جی ہاں..... یہ وہ لوگ ہیں جو اس مہذب ترین دنیا میں بھی ایک وحدہ لاشریک کی وحدانیت کا دم بھرتے ہیں..... جو جمہوریت کے ہوتے ہوئے خلافت اسلامی کی بات کرتے ہیں..... جو لارڈ میکالے کے طلسماتی نصاب کے باوجود دینی و مذہبی تعلیم کی رٹ لگاتے ہیں..... جو کیمبرج و آکسفورڈ کی موجودگی میں مساجد و مدارس میں قرآن و حدیث پڑھتے ہیں..... جو سیکولرازم کے مقابلے میں چودہ سو سال پرانے اسلامی نظام کا واویلا کرتے ہیں..... جو مغرب کے شفاف عدل و انصاف کے خلاف جہاد کا علم بلند کرتے ہیں..... جو قانون و آئین سے مستثنیٰ و بالاتر امریکی قوم کو دوسروں کے معاملات میں مداخلت سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں..... جو سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے مقابل اسلام کے معاشی نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں..... جو مسٹر بش و ٹونی جیسی محترم ہستیوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت محمد ﷺ کا نام لاتے ہیں..... جو رقص و سرود، شراب و شباب اور سود و قمار بازی جیسی جدید تہذیبی اقدار کو ناجائز و غلط گردانتے ہیں۔

ہاں..... ہاں.....! یہی ہیں وہ لوگ..... جو امریکہ کی بالادستی نہیں بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ کی خواہش رکھتے تھے..... جو لوگ دنیا بھر میں بکھرے ہوئے سوا ارب مسلمانوں کو متحد کر کے امریکہ کے خلاف سازشی گٹھ جوڑ قائم کر رہے تھے..... جو سات سمندر پار سے آئی ہوئی معصوم امریکی افواج کے خلاف جہاد جیسی دہشت گردی کے مرتکب ہوئے تھے۔

ان کی سنگ دلی کی انتہا دیکھئے۔ ان لوگوں نے تو بامیان میں ایک مہذب دنیا کے خداؤں کو بھی پاش پاش کر دیا تھا.....!! واقعی یہ تو بہت بڑے مجرم ہیں..... ان کے جرائم اتنے سنگین ہیں کہ ان کی موجودہ سزا کو دیکھ کر ہنسی آتی ہے..... ان کی سزاؤں میں مزید اضافہ ہونا چاہئے..... امریکیو! تم نے تو ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھا ہے..... یہ تو اس قابل بھی نہیں تھے..... یہ بہت ظالم لوگ ہیں..... ان کو سخت سے سخت سزا ملنی چاہئے..... ان کے آباؤ اجداد کو تو تیل کے ابلتے ہوئے کڑاہوں میں ڈال دیا جاتا تھا..... ان کو سلگتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا تھا..... تپتی ہوئی ریت پر ان کو ننگے بدن گھسیٹا گیا تھا..... لوہے کی کنگھیوں سے ان کی کھالیں ادھیڑ دی گئی تھیں..... ان کی آنکھوں سے نیزے آر پار کر دیئے گئے تھے..... ان کے جسموں کو آروں سے چیر دیا گیا تھا..... مگر وہ اتنے ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ پھر بھی اپنے سنگین جرائم سے باز نہیں آئے..... یہ بھی انہی کے نام لیوا ہیں..... ان کی رگوں میں بھی وہی آتشیں خون دوڑتا ہے..... یہ لوگ بھی ''احد احد'' اور ''جہاد جہاد'' کا راگ الاپتے ہیں۔

امریکیو! یہ بڑے سخت جان مجرم ہیں..... ان کو ایسی ایسی اذیت ناک سزائیں دو کہ پوری دنیا میں ایک قیامت برپا ہو جائے..... ان کی دل سوز چیخیں پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیں..... پھر شاید..... شاید..... ان دلدوز مناظر کے نتیجے میں..... امت مسلمہ کے راکھ کے ڈھیر میں سے کوئی ٹمٹماتی چنگاری سلگ کر شعلۂ جوالہ کا روپ دھار لے..... کہیں عمر بن خطاب کی صورت میں تو کہیں حیدر کرار کی شکل میں..... کہیں سیف اللہ کے روپ میں تو کہیں محمد بن قاسم کے وجود میں..... کہیں موسیٰ بن نصیر و طارق بن زیاد کی صورت میں تو کہیں صلاح الدین ایوبی کی شکل میں..... کہیں امام ابن تیمیہ و ظاہر الدین بیبرس کی صورت میں تو کہیں سلطان محمد الفاتح کی صورت میں..... شاید اس خونی منظر کو دیکھ کر کسی خوابیدہ ٹیپو کا لہو جوش مارے..... شاید کسی کا جام اخوت چھلک پڑے..... شاید کسی کی آہ سحر گاہی کا ثمر بر آئے..... شاید کسی کے فولادی بازوؤں میں غیرت کی طغیانی ابھر آئے..... شاید کسی کی جوانی میں تلاطم بپا ہو..... شاید کسی کی رگ حمیت پھڑکے..... اور یوں یہود و نصاریٰ کی آغوش میں بیٹھ کر سلامتی کے راگ الاپتی اس دنیا کے امن کا بھرم تہ و بالا ہو جائے..... بے غیرتی و بے حسی کی اس مدہوشی میں ایک ہلچل پیدا ہو..... ہر سمت ایک کہرام مچ جائے..... اور امت کا ہر جوان دوسرے کو ایک ہی دعا دیتا نظر آئے کہ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

(بشکریہ: روزنامہ ''اسلام'' ۲۳ جنوری ۲۰۰۲ء)

دہشت گردی

(کمال سالار پوری)

اسلام بھی دہشت گردی ہے ایمان بھی دہشت گردی ہے
تہذیب نوی کی نظروں میں قرآن بھی دہشت گردی ہے
اس بات کو امریکی بش نے خود اپنے عمل سے بتلایا
کافر کی نظر میں مومن کا ایمان بھی دہشت گردی ہے
کہتے ہیں بدی کے دانشور ہر بندۂ مومن سے اٹھ کر
تم جو بھی کرو اس نیکی کا عنوان بھی دہشت گردی ہے
وہ لاکھوں انساں مار کے بھی معصوم و شریف دوراں ہیں
جو ہم سے پیدا ہوتا ہے بحران بھی دہشت گردی ہے
اسلام کے صدقے حاصل ہو ایمان کا جس سے ذوق بڑھے
خود اپنی خودی کا احساس و عرفان بھی دہشت گردی ہے
تم جو بھی شرافت کی خاطر کرتے ہو برائی ہوتی ہے
تم جو بھی کسی پر کرتے ہو احسان بھی دہشت گردی ہے
ہم دہشت گردی کرتے ہیں اور ناز ہے دہشت گردی پر
اس دور میں مومن صادق کی پہچان بھی دہشت گردی ہے

(بشکریہ: پندرہ روزہ ''نشور'' راولپنڈی)

یہ ہمارا اپنا کام ہے!

پچھلے دنوں ایک ایسے رفیق سے ملاقات ہوئی جو ایک زمانے میں کافی سرگرم ہوا کرتے تھے لیکن اب وہ صورت باقی نہیں رہی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد میں نے پوچھا ''اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟'' کہنے لگے: ''آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں ایسا نہیں تھا' لیکن حالات نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا ہے۔'' میں نے کہا: ''بھئی ایسے بھی کیا حالات پیدا ہو گئے تھے کہ جنہوں نے ایک انقلابی کارکن کے اندر اتنی بڑی انقلابی تبدیلی پیدا کر دی؟'' کہنے لگے: ''ذرا غور کریں کہ آپ تنظیم کے لئے اتنی سرگرمی کا مظاہرہ کریں اور آپ کے ذمہ داران آپ کے مصائب سے لاعلم رہیں' تو آپ کی دلی کیفیت کیا ہو گی؟ کتنا صدمہ پہنچے گا آپ کو؟ کیا ردعمل ہو گا آپ کا؟ میرا ایکسیڈنٹ ہوا۔ کافی دنوں تک صاحب فراش رہا لیکن کسی نے پلٹ کر خبر بھی نہ لی۔'' تو گویا اس کی بنیاد پر آپ نے تنظیم سے لاتعلقی اختیار کر لی! کبھی آپ نے غور کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس سے پہلے آپ کا رابطہ کسی وجہ سے تنظیم سے ٹوٹ گیا ہو؟'' میں نے سوال کیا۔ ''ہاں' اجتماعات میں شرکت میں کچھ بے قاعدگی تو ہوئی تھی۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''اچھا یہ بتائیں' کبھی آپ نے اپنے ذمہ داران سے ان کی اس سرد مہری کا شکوہ بھی کیا؟'' میں نے ایک اور سوال کر دیا۔ منفی جواب ملنے پر میں نے ان سے کہا کہ ''آپ کے ذمہ داران کو میں ان کی ذمہ داری سے مبرا نہیں کرتا لیکن کیا کبھی آپ نے اس امکان پر بھی غور کیا کہ انہوں نے اجتماعات میں آپ کی بے قاعدگیوں کو آپ کی عادت شمار کرتے ہوئے آپ سے رابطہ نہ کیا ہو؟ یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں حادثہ کی اطلاع ہی نہ پہنچی ہو! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آپ کے ہاں آنے کا ارادہ کیا ہو اور اسی دوران کوئی امر مانع آ گیا ہو جس کی بناء پر وہ نہ آ سکے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی مصروفیات نے روک رکھا ہو۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

ہم دراصل تخیلات کی دنیا میں رہنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ اور رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسولؓ کے اسوہ نے ہمیں آئیڈیلزم کا خوگر بنا دیا ہے۔ ہم ہر بات کا اپنے ذہن میں ایک آئیڈیلسٹک تصور قائم کر لیتے ہیں۔ ٹھیک ہے' ایسا کرنا چاہئے لیکن زمینی حقائق کو خواہ وہ کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہوں' فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم تنظیم میں اپنی فلاح کے لئے شامل ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے بنیادی ذمہ داری ہماری اپنی ہے کہ جو ذمہ داریاں ہم نے اپنے نازک کاندھوں پر اٹھائی ہیں' انہیں پورا کریں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب و کامران ہوں گے۔ اگر کوتاہی کریں گے تو خسارا ہمارا ہو گا' آخرت

محمد سمیع' کراچی

میں باز پرس ہماری ہو گی۔ تنظیم کے ذمہ داران کا فرض صرف اتنا ہے کہ وہ ہماری رہنمائی کریں اور اگر کہیں ہم سے کوئی کوتاہی ہو رہی ہو تو اس کی نشاندہی کریں۔ اس فرض سے وہ غفلت برتیں گے تو بے شک باز پرس ان کی بھی ہو گی لیکن ہم سے جو باز پرس ہو گی اس کا نتیجہ ہمیں بھگتنا پڑے گا۔ ان سے جو باز پرس ہو گی' اس کا نتیجہ انہیں برداشت کرنا ہو گا۔ نہ تو ہم ان کی ذمہ داریوں میں غفلت کی بناء پر باز پرس سے بچ سکیں گے اور نہ ہی وہ ہماری غفلت کے ضمن میں اپنی کوتاہیوں کی باز پرس سے بچ سکیں گے۔ تو پھر کیوں نہ ہم دونوں اپنی اپنی فکر کریں! ایک دوسرے کی خبر گیری یکطرفہ نہیں' دوطرفہ معاملہ ہے۔ ہم ایک مشن سے وابستہ ہونے کی بناء پر ایک ایسے رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں جو خونی رشتے سے بڑھ کر ہے۔ ہم اپنے والدین کو اپنی ہر تکلیف بتاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے ذمہ داروں کو اپنے حالات سے مکمل طور پر آگاہ نہیں کرتے۔ پھر یہ فرض کر لیتے ہیں اگر وہ اتنے بے مروت ہیں تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم تنظیم کے کاموں میں اپنا سر کھپائیں! یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ تنظیم کا کام ہمارا اپنا کام ہے کیونکہ اس سے ہمارا اخروی مستقبل وابستہ ہے۔ (محمد سمیع' کراچی)

افہام و تفہیم

طالبان پر اعتراضات اور جوابات (۲)

---انجینئر نوید احمد کی سلسلہ وار تحریر---

طالبان پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر طالبان لچک کا مظاہرہ کرتے اور حکمت سے کام لیتے تو اس تباہی سے دوچار نہ ہوتے۔

طالبان پر یہ الزام درست نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے رویہ میں لچک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ طالبان نے امریکہ سے واضح طور پر کہا تھا کہ اگر ثبوت فراہم کر دیا جائے تو ہم اسامہ بن لادن کے خلاف مقدمہ چلائیں گے۔ پھر انہوں نے اس بات کی پیشکش کی تھی کہ کسی بھی ملک سے تین علماء کرام آ کر مقدمہ کی سماعت کر سکتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے یہ بات بھی مان لی تھی کہ ثبوت کی فراہمی پر وہ اسامہ کو کسی تیسرے ملک کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ طالبان بار بار امریکہ کو مذاکرات کی دعوت دیتے رہے لیکن امریکہ نے کسی بھی پیشکش کو قطعاً قبول نہیں کیا بلکہ مطالبات میں اضافہ کرتا چلا گیا اور مسلسل طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دیتا رہا۔ گویا لچک کا مظاہرہ امریکہ نے نہیں کیا۔

اسی طرح طالبان پر یہ الزام بھی درست نہیں کہ انہوں نے حکمت سے کام نہیں لیا۔ امریکہ گیارہ ستمبر کے حوادث سے قبل ہی افغانستان کے خلاف حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مغربی طاقتیں کمیونزم کی شکست کے بعد اسلام کو اپنا حریف سمجھتی ہیں اور وہ قطعاً برداشت نہ کر سکتی تھیں کہ دنیا کے کسی خطے میں ایسی اسلامی حکومت قائم ہو جس سے پوری دنیا کی اسلامی تحریکوں کو حوصلہ ملے۔ لہٰذا امریکہ نے ہر صورت میں طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کرنا تھا۔ ایسے میں جو لوگ طالبان کو حکمت کا راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے رہے اور اب بھی اپنے مشوروں پر عمل نہ کرنے پر طالبان کو برا بھلا کہہ رہے ہیں' ان کے حوالے سے منافقین کے وہ الفاظ یاد آ جاتے ہیں جو انہوں نے جنگ احد میں شکست کے بعد مسلمانوں سے کہے تھے کہ: ﴿لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾ (آل عمران: ۱۶۸) یعنی ''اگر وہ ہماری بات مانتے تو یوں مارے نہ جاتے۔'' جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۶۸'۱۶۹) ''(اے نبیؐ) ان سے کہئے کہ اپنے اوپر سے موت کو ہٹا کر دکھاؤ اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو۔ اور ہرگز نہ سمجھنا ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق لے رہے ہیں۔''

باطل پرستوں کا فریب نظر

——حاصل مطالعہ: نعیم اختر عدنان——

قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کافروں کی نگاہوں میں دنیا کی زندگی خوشنما بنادی گئی ہےاور یہ اہل ایمان کامذاق اڑاتے ہیں' حالانکہ قیامت کے دن متقی لوگ ان (کفار) سے بلند مرتبہ پر ہوں گے' اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطافرماتا ہے۔''

یہ آیت مبارکہ اس فریب نظر کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے باطل پرست اپنی دنیا ہی میں مگن ہوکر زندگی گزارتے رہتے ہیں۔فریب نظر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں حق و باطل دونوں کو مہلت حاصل ہے۔ کوئی شخص اگر نیکی اور اطاعت کی راہ اختیار کرتا ہےتو وہ اللہ تعالیٰ کے قانون ابتلا و آزمائش سے بالاتر نہیں ہوجاتا' اسی طرح اگر کوئی شخص یا گروہ کفر و نافرمانی کے راستے پر چلتا ہےتو فرشتے فوراً آسمان سے اتر کر اس کی گردنیں نہیں اڑا دیتے۔قرآن مجید نے اسی قانون الٰہی کو''فریب نظر'' سے تعبیر کیا ہے۔اہل باطل دنیا پرستی میں اس قدر مگن ہوجاتے ہیں کہ جب انہیں برے اعمال پر آخرت میں عذاب الٰہی کی وعید سنائی جاتی ہےتو وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہمارا حال اہل ایمان سے کہیں بہتر ہے'لہٰذا ہمارا طرز عمل بھی درست ہے۔ چنانچہ اہل کفر جب دیکھتے ہیں کہ ان کی بداعمالیوں کے باوجود ان پر کوئی گرفت نہیں ہو رہی تو اپنی روش پر ان کا اطمینان مزید پختہ ہوجاتا ہےاور وہ اہل حق کا مذاق اڑانے اور ان پر ظلم ڈھانے میں اور زیادہ دلیر ہوجاتے ہیں۔ بلاشبہ اکثر اوقات دنیا میں صورت حال ایسی ہی ہوتی ہے' کیونکہ اس دنیا کا نظام اللہ تعالیٰ کے قانون آزمائش کے تحت چل رہا ہے۔البتہ دنیا کی عارضی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جو اعمال کی جزا کی صحیح مظہر ہوگی۔ لہٰذا وہ اہل ایمان جو اہل کفر کے ظلم و ستم کے باوجود دنیا کے فریب نظر میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ہر طرح کے حالات میں اللہ کی بندگی اور تقویٰ کی راہ پر کاربند رہتے ہیں' وہ آخرت میں کامیاب وکامران ہوں گے۔

''ندائے خلافت'' کے قارئین کے لئے مذکورہ بالا اقتباس مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' سے لیا گیا ہے۔افغانستان کی اسلامی حکومت پر امریکہ' برطانیہ اور پاکستان کی فوجی حکومت کی طرف سے کئے گئے ظلم و بربریت کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری ... کیوں نہیں آتی؟ یہ سوال بہت سے اسلام پسند ذہنوں میں انگڑائیاں لیتا رہتا ہے۔زیر نظر اقتباس میں ایسے ہی حالات و واقعات کے بارے میں راہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر طرح کے نرم و گرم حالات میں اللہ تعالیٰ کی واطاعت' نبی آخرالزماں ﷺ کی سنت اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کی پیروی ہی کو اعلیٰ ترین نصب العین کی حیثیت سے اختیار کیا جائے!

دعوت دین کی اہمیت

——تحریر: کرم داد خان بلوچ——

انسان جب تک اپنے آپ کا عملی طور پر جائزہ نہیں لیتا' اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے لاعلم ہی رہتا ہےلیکن جب غور و فکر کرتا ہےتو اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں واضح طور پر نظر آنی شروع ہوجاتی ہیں۔ زندگی کو بے مقصد سمجھ کر گزارنا انسانیت نہیں ہے۔آج کے اس جدید دور کا جائزہ لیا جائے تو ہر انسان افراتفری کا شکار نظر آتا ہے۔کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ توجہ سے کسی کی بات سن لے۔اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کو سب سے اعلیٰ اور افضل مخلوق قرار دینے کی کچھ وجوہات تو ضرور ہوں گی! جس نے اتنا بلند رتبہ عطا کیا ہے' اس نے کچھ فرائض کا تعین بھی لازماً کیا ہوگا۔ہمیں اپنے دنیاوی کاموں کی تو بڑی فکر لاحق رہتی ہےلیکن کیا کبھی ہم نے یہ سوچا ہے کہ جس دین کے نام سے ہم اپنے آپ کو بڑے فخر کے ساتھ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں' اس کے لئے ہم نے کیا کام کیا ہے! ہم کس سیڑھی پر کھڑے ہیں اور درحقیقت ہمیں ہونا کہاں چاہئے تھا! انسان کا مقصد حیات اگر محض عبادت ہی ہوتا تو یہ کام فرشتے بڑی اچھی طرح کر رہے تھے۔انسان پر کچھ دوسری ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔ان سے عدم توجہی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے مترادف ہے۔آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی ذمہ داریوں کا جائزہ لیتے ہیں!

جس طرح ہمارے اپنے لئے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ پر ایمان لاکر اسلام کے راستے پر چلیں' اس طرح ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ جو لوگ اس راستے سے بے خبر ہیں یا کسی وجہ سے اسے اختیار کرنے سے محروم ہیں' ان کو بھی اس سے آگاہ کرنے کی کوشش کریں۔اسی کا نام دین کی دعوت ہے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کام کی اتنی اہمیت ہے کہ اس مقصد کے لئے اس نے ہزاروں پیغمبر بھیجے جنہوں نے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھا کر یہ فریضہ انجام دیا۔نبوت کا سلسلہ چونکہ حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوچکا ہے'لہٰذا اب قیامت تک یہ کام انہی لوگوں کو کرنا ہوگا جو حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین حق پر ایمان لاچکے ہیں۔ دعوت دین اس امت کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے بلکہ قرآن شریف کی ایک آیت کی رو سے تو یہ امت پیدا ہی اسی کام کے لئے کی گئی ہے۔سورہ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''(اے امت محمدؐ) تم ہو وہ بہترین جماعت جو اس دنیا میں لائی گئی ہے (انسانوں کی اصلاح کے لئے)' تم نیکی کے لئے کہتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور سچا ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خود نیکی کے راستے پر چلنے کے علاوہ دوسروں کو بھی برائیوں سے بچانے کی کوشش کرنا اس امت کی خاص ذمہ داری ہے۔سورۃ النحل کی آیت ۱۲۵ میں فرمایا گیا:

''اپنے رب کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے مجادلہ کرو اچھے طریقے سے۔''

تبلیغ دین کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں کو صحیح راستہ کی دعوت دے اور نیکی کی طرف بلائے تو لوگ اس کی بات مان کر جتنی نیکیاں اور بھلائیاں کریں گے اور نیکیوں کا جتنا ثواب ان کرنے والوں کو ملے گا اتنا ہی ثواب اس شخص کو ملے گا جس نے ان کو نیکی کی دعوت دی تھی جبکہ اس کی وجہ سے خود نیکی کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

اگر اس حدیث پر غور کیا جائے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ بے شمار اور بے حساب کمانے ثواب کا اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔اس کے ذریعے ایک آدمی سینکڑوں افراد کی نیکیوں اور عبادتوں کے ثواب میں شریک ہوسکتا ہے! گویا دین کی دعوت دینا اور لوگوں کی اصلاح کرنے کی کوشش بھی جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔

آیئے اس جہاد میں ایک دوسرے کا دست و بازو بن کر دعوت دین کو عام کریں۔اپنی دنیوی مصروفیات میں سے وقت نکال کر آخرت کی تیاری ابھی سے کرلیں کہ معلوم نہیں کب اور کہاں موت کا فرشتہ جان لینے کے لئے آجائے!

بقیہ : تجزیہ

اس کے ذمہ دار پڑھے لکھے لوگ نہیں تھے؟ غلام محمد' محمد علی بوگرہ' حسین شہید سہروردی' فیروز خان نون' غلام اسحٰق خان' ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر کس کلاس کے لوگ تھے؟ بی اے تو جنرل مشرف کے حریف نواز شریف نے بھی کر رکھا ہے۔ پاکستان کو ان پڑھوں نے نہیں' زر و زمین کے حریصوں نے لوٹا ہے۔پاکستان کی شکل ایک عیاش جرنیل یحییٰ خان نے بگاڑی تھی۔سیاچین بھی ایک جرنیل نے کھو دیا تھا۔اب جنرل مشرف کی حکومت میں غیر ملکی اور غیر مسلم فوجی پاک دھرتی کو لتاڑ رہے ہیں۔اسلام کی رسی کو ہاتھ سے چھوڑ کر ہم فٹ بال بن چکے ہیں۔طاقت ور ہمیں ٹھوکر مار کر کبھی ایک طرف پھینک رہے ہیں اور کبھی دوسری طرف۔ جنرل صاحب سے راقم کی درخواست ہے کہ وہ در در کی ٹھوکریں کھانے کی بجائے ایک در کے ہو کر رہ جائیں——وگرنہ پہلوں کا انجام کون سا اچھا ہوا تھا جو آپ کا ہوجائے گا!

کاروان خلافت منزل بہ منزل

حلقہ خواتین کراچی کا تربیتی پروگرام

گزشتہ سال تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کراچی کے تحت مرکزی سطح پر چار تربیتی پروگرام کرائے گئے جو تین یا چار اسروں کو اکٹھا کر کے منعقد ہوئے۔ ان میں رفیقات نے منتخب نصاب، منہج انقلاب نبویؐ اور قرب الٰہی کے دو مراتب پر تربیتی لیکچر دیئے۔

منتخب نصاب کے سلسلے میں فرائض دینی کا جامع تصور اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقاصد اور مراحل سورۃ الحج کی آیات ۷۷، ۷۸ اور سورۃ الصف کی آیات ۹ تا ۱۱ کی روشنی میں واضح کئے گئے۔ اسی طرح اقامت دین کی فرضیت اور اس کے لئے زوردار دعوت سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ اور ۴۷ تا ۴۸ کی روشنی میں بتائی گئی۔

منہج انقلاب نبویؐ کے ضمن میں خطاب اول اور دوم کو نکات کی شکل میں ذہن نشین کرایا گیا کہ انقلاب کسی بھی نوع کا ہو، اس کو چھ مرحلوں سے لازماً گزرنا ہوگا۔ اس میں سب سے پہلے انقلابی نظریہ کو پیش کرنا اور اس کی اشاعت ہے۔ اسلام کا انقلابی نظریہ توحید ہے جو انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر اثر کرے گا۔ عقائد، عبادات اور رسومات انفرادی زندگی میں توحید کے ڈھانچے میں ڈھلیں گی جبکہ اجتماعی زندگی میں سیاست، معاشیات اور معاشرت توحید پرست ہوں گی۔ اس نظریے کو جو لوگ قبول کریں، ان کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے ان کی تربیت کی جائے گی۔

کتاب ''قرب الٰہی کے دو مراتب'' کے ضمن میں درج ذیل تین اہم نکات پر توجہ دلائی گئی:

۱۔ پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فریضہ ہے کہ اس کی بقاء اور استحکام کے لئے دین کا احیاء کریں۔

۲۔ سنت رسولؐ کا مقام اور موجودہ دور میں اس کی اہمیت اور تقاضے

۳۔ طریقت و سلوک کی حقیقت، ولایت کے تقاضے

رفیقات نے نہایت شوق سے اس پروگرام میں شرکت کی اور عہدیداران سے اپنے اشکالات رفع کرائے۔ آخری پروگرام میں سوال و جواب کے لئے بھرپور نشست رکھی گئی جس میں ناظمہ و نائب ناظمہ کراچی سے تمام رفیقات نے براہ راست تبادلہ خیالات کیا اور چند وضاحتیں بھی طلب کیں۔

تمام رفیقات نے اس پروگرام کو پسند کیا اور آئندہ بھی جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ (مرتبہ: بنت الیقین)

مدینۃ اولیاء میں دورۂ ترجمہ قرآن

حسب روایت، امسال بھی یہ پروگرام قرآن اکیڈمی، ملتان کی جامع مسجد میں منعقد ہوا۔ دروس کی سعادت تنظیم اسلامی ملتان کے امیر جناب ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی کے حصہ میں آئی۔ اس پروگرام کی بھرپور تشہیر کی گئی جس کے لئے کثیر تعداد میں ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے۔

پروگرام عشاء کی نماز کے ساتھ ہی شروع ہوتا تھا۔ ۱۲ رکعتوں کے بعد چائے کا وقفہ ہوتا تھا۔ عام دنوں میں حاضری ۱۰۰ سے متجاوز رہتی تھی جبکہ ہفتے کے اختتام پر یہ تعداد ۲۰۰ کے لگ بھگ پہنچ جاتی تھی۔ خواتین نے بھی اس پروگرام سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کی اوسط حاضری ۵۰ کے قریب رہی۔ لیلۃ القدر کو شرکاء کی تعداد ۳۰۰ سے بھی بڑھ گئی تھی۔ پروگرام کا اختتام ۲۹ ویں شب کو ہوا۔ حلقہ کے امیر جناب سعید اظہر نے اجتماعی دعا کروائی۔ اس مرتبہ جامع مسجد، قرآن اکیڈمی میں ۳۰ افراد نے سنت اعتکاف ادا کی۔

رمضان المبارک کا دوسرا پروگرام انجمن خدام القرآن کی ذیلی برانچ قرطبہ مسجد، گارڈن ٹاؤن، ملتان کینٹ میں ہوا۔ یہاں پر جناب محمد سلیم اختر نے ۲۷ دن تک روزانہ ایک ایک گھنٹہ دورانیہ کے دو لیکچرز دیئے جو مختلف دینی موضوعات پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہاں پر حاضری ۴۰ سے ۵۰ افراد کے درمیان رہی۔ خواتین کی شرکت اس کے علاوہ تھی۔

جامع مسجد، قرآن اکیڈمی میں حسب معمول ملتان کے باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے لئے قیام و طعام کی سہولت میسر کی گئی۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت قاری محمد شاہد اور قاری محمد عثمان نے حاصل کی۔ انتظام و انصرام کی ذمہ داری جناب سعید اظہر نے ادا کی۔ دوسرے جملہ کارکنان کی محنتوں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے! (مرتب: شہباز نور)

ماہ دسمبر ۲۰۰۱ء میں حلقہ سرحد (شمالی) کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

۱) ۴ دسمبر کو بعد نماز عشاء بلال مسجد، خٹک کالونی، نوشہرہ کینٹ میں جناب قاضی فضل حکیم نے ''قرآن، انسان اور رمضان'' کے موضوع پر تقریباً دو سو افراد کو خطاب کیا۔

۲) ۷ دسمبر کو بعد نماز عشاء مرکزی جامع مسجد، پاکستان لوکوموٹیو فیکٹری رسالپور میں جناب قاضی فضل حکیم نے ''تعارف قرآن'' کے موضوع پر تقریباً چھ سو افراد کے سامنے ایک گھنٹہ خطاب کیا۔ اس اجتماع میں فیکٹری کے اعلیٰ حکام نے بھی شرکت کی۔ اختتام پر ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' نامی کتابچہ معقول تعداد میں تقسیم کیا گیا۔

۳) ۱۲ دسمبر کو بعد نماز عشاء ایک دعوتی اجتماع مرکزی جامع مسجد، پی اے ایف اکیڈمی رسالپور میں منعقد ہوا جس میں مسلح افواج کے اعلیٰ افسران، جوانوں اور دوسرے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ جناب قاضی فضل حکیم نے ''قرآن مجید کے حقوق کی ادائیگی میں حائل رکاوٹیں'' کے موضوع پر پچاس منٹ کا خطاب کیا۔

۴) ماہانہ دعوتی اجتماع ۱۴ دسمبر کو نماز جمعہ کے بعد دفتر حلقہ میں منعقد ہوا۔ امیر محترم کا ویڈیو خطاب ''عظمت صوم'' تیس افراد نے سنا۔ اختتام پر ''قرآن مجید اور ہماری ذمہ داریاں'' نامی کتابچہ تقسیم کیا گیا۔

۵) ۱۴ دسمبر ہی کو بعد نماز عشاء اباخیل مسجد میں جناب قاضی فضل حکیم نے خیر و شر کے سفر پر گفتگو کرتے ہوئے حاضرین پر واضح کیا کہ اہل حق کے جانے سے حق کا سفر نہیں رکتا۔ اسی طرح اہل شر کے جانے سے باطل کا سفر بھی نہیں تھمتا۔ یہ کشاکش تا قیامت جاری رہے گی۔

۶) ۲۱ دسمبر کو اباخیل مسجد میں جناب قاضی فضل حکیم نے ''فحاشی اور عریانی'' کے نقصانات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بعد میں جناب نصر اللہ کے ہاں تربیتی نشست ہوئی۔

۷) ماہانہ مرکزی تربیتی اجتماع ۲۹ دسمبر کو بعد از نماز مغرب تا اگلی صبح ۹ بجے منعقد ہوا۔ نماز مغرب کے بعد سورہ ''ق'' کے ترجمہ و تشریح کے لئے امیر محترم کا ویڈیو کیسٹ دیکھا گیا۔ اس کے بعد جناب محمد سرور نے ''شہادت حسین سے طالبان تک'' کے موضوع پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ڈاکٹر حافظ مقصود نے کلام اقبال سے ایک نظم کی تشریح پیش کی۔ بعد نماز عشاء راقم نے سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کی بلحاظ تجوید مشق کرائی۔ کھانے کے بعد ''فرائض دینی کا جامع تصور'' پر شرکاء کی آزمائش کی گئی۔ اسرہ پنج پیر کے نقیب جناب جان اصغر نے اس پروگرام کی ذمہ داری نبھائی۔ آرام اور نماز فجر کے بعد حلقے کے معمر رفیق جناب حضرت گل استاد نے ''انفاق فی سبیل اللہ'' پر درس دیا۔

بقیہ : اداریہ

iii) دینی قیادت کا وہ مختصر گروہ جس نے اسلام کو دین سمجھ کر اسے بطور نظام زندگی قائم و غالب کرنے کو اپنا مقصد زندگی بنایا اس کی عظیم اکثریت بھی ذاتی انا اور جماعتی مفادات کے گرداب سے نہ نکل سکی اور انہوں نے نفاذ شریعت کے لئے متحدہ جدوجہد پر ہمیشہ بحالی جمہوریت کے لئے متحد ہونے کو ترجیح دی۔

iv) اسی دینی قیادت کا ایک ''باشعور اور دانش مند'' طبقہ وہ بھی ہے کہ جس کا علمی گھمنڈ ہی اس کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا اور یہ جاننے کے باوجود بھی کہ اسلام محض مذہب نہیں دین ہے ان کی عقل گندگی کا مظہر سامنے آیا کہ ان کی علمی و عقلی صلاحیتوں کا تمام تر مصرف یہ رہ گیا کہ وہ اسلام کو پھر سے مذہب بنا کر اسے سیکولرازم کے ساتھ ہم آہنگ کرنے پر کمربستہ ہوگئے۔

ہمارے قومی جرائم کی سزا شاید اب ہم پر مسلط ہو چکی ہے **اعاذنا اللہ من ذلک**

of praises for General Musharraf's dictatorship in his January 24 article in the Washington Times. The two party dictatorship in the US is not acceptable to him but dictatorship in Pakistan is praiseworthy for being led by a person he called "Gorbachev of the Muslim world," assisting the US in its "war within Islam."

Islam is targeted in a very subtle and systematic way of which the Muslims are now more aware than at any time since 1989. It is easy for the analysts like Mr. Gross to let the American public believe that madrassah "continue to preach hatred and maintain semiliterate curriculum based mainly on the Koran." However, such comments will further strengthen faith of the Muslims who know from their experience that neither the Quran nor any of the Islamic institutions preach hatred. Unlike Musharraf, many Muslim find the western media arrogantly preaching. Is not it provocative to read: "Mr. Musharaff understands that the Muslim jihad against the West is futile, now and in the future"? Isn't it a mockery of Islam to daringly publish that the Islamic

"traditional theories only stimulate misery" and keep Muslims in "the shadow of the ancient world."

It is extremely unfortunate on part of the Muslims to resort to scapegoating Islam in an apologetic manner rather than clarifying the misconceptions. Islam is not at fault for the Muslims' downfall. The Quran and Sunnah are not medieval theories, which have lost their utility in the modern world. Instead, the prevailing circumstances have further confirmed their validity. Just like any other society in the world, definitely there are good and bad people among the Muslims. The problem, however, is that the West blames it on Islam out of expediency and our own people confirm the twisted logic simply to safeguard their personal interests. The American media is all praises for Musharraf because, unlike his 62-minute speech, the US, with all its military might, could never set the process of undoing the world of Islam in motion.

Our apologetic actions, like targeting religious schools, simply confirm the western propaganda that there is something wrong with the Quran and Islamic teachings. Mr. Friedman, the proponent of a "war within Islam," expressed deep satisfaction over the way General Musharraf "dared to acknowledge publicly the real problem: that Muslim extremism, rooted in educational systems and ruling arrangements, has left much of the Muslim world in a backward state" (NY Times, Jan. 21, 2002). Mr. Friedman repeated his call that the world "needs a war within Islam, not with Islam." The reason for his jubilation is: "At least one leader has finally declared it. It would be nice if some Arab Muslim leaders now did the same."

There is no need for us to wage a war within Islam for the US. There is a need to understand that for its interests, the US transformed General Zia into pro-Islam Mujahid and General Musharraf into an anti-Islam secular bulwark. The US needed Zia to be a "fundamentalist," Jihad-leading figure, and now it needs Musharraf to be a "liberal," crusade-leading figure. It doesn't tax the wisdom too much to understand that Islam is not something to be cooked on lunar stove for 11 years to be ready for implementation by Zia in Pakistan, nor is it an outdated ism that can be thrown away by Musharraf in the dust bin of history without any problem. The only outcome of such experimentation is germination of more and more seeds of anti-Americanism in the Muslim world.

The Americans, for instance, do not know that there is absolutely no religious institution, not even a single one, in Pakistan that imparts military training. To the contrary, they would believe Newsday when it reports, "Musharraf ordered madrassas to end the military training that has helped make them recruiting centers for the Taliban and other extremist groups." (Jan. 16, 2002). All the military training centres were established by the Pakistani government with full financial, technical, logistic and moral backing of the US for training Mujahideen and later on the Taliban. Holding Islam and religious institutions responsible for these acts is the most ugly attempt at demonising a religion the world would ever see.

No matter how we may scapegoat Islam to please our masters in Washington, every act and every word comes back to haunt us. General Musharraf provided a golden opportunity to the biased American analysts, who wasted no time in exploiting his words for their own sinister objectives. Mr. Jed Babbin, writing in Washington Times (Jan. 17, 2002), for instance, was quick to seize the opportunity and tell the world: "Italian President Silvio Berlusconi's remarks, while undiplomatic, got so much attention because they were true. What is most shocking about Mr. Musharraf's speech is that some of the things he said sound like Mr. Berlusconi wrote them."

On all fronts of the western media there is an anti-Islam bias upon bias simply to prove that contrary to the Islamic belief, Islam is unfit to govern Muslim societies. What else could be the best example of hate speech in this regard than Bruice Fein words in Washington Times: "Ataturk keenly understood the incendiarism of a legally anointed and allegedly superior religion claiming jurisdiction over every nook and cranny of political and private life to any Western-style, democratic flowering," (January 15, 2002). Important to note is the fact that this bias is shaping the American and European policies towards Islam. Regardless of the violence and counter violence, these approaches are sinking the world deeper and deeper into the disorder of the soul and the disorder of the states. The US attitude since September 11 clearly demonstrates that falling away from old truths and inventing new norms is a sure recipe for disaster. Standards erected out of expediency are hurled down, soon enough, out of expediency. Our religious norms have a reality independent of immediate social utility. Assuming them out of date or pompous fabrication of our ancestors for serving the interests of the age would soon lead us into the promised Armageddon. Diluting religion and diffusing religious institutions is not the answer; empowering them to understand and counter the American bias definitely is.

ooo

Regd.CPL No.127 No.5
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan

Bias Upon Bias Upon Bias

The American political analysts have perfected the art of collectively disregarding facts, unanimously defying normative truth and standardizing their approach to proving Islam as an enemy of all things western. The beauty of their bias lies in the fact that one gets the point without having to buy their books or read their articles - merely the headlines are enough to understand the message. The apparent beauty of their speech, which lies in the economical use of words for demonising a people and their religion, might seem successful at the moment; it would, however, lead the world into the final tragedy of human history.

Should anyone wish to look at a perfect demonstration of a systematically outrageous bias over the years, I recommend articles by Daniel Pipes, director of the Middle East Forum and a columnist for both the New York Post and The Jerusalem Post, available at http://www.danielpipes.org. From his representative writings one can find the so obvious chain of bias that finally made Islam and terrorism synonymous. In the 1989-94 period, the least offensive word "fundamentalism" was made a permanent feature of any discourse on Islam. Fundamentalism was then linked to extremism and finally to terrorism. Lately, the Bush administration is under pressure from the same forces to openly declare its misnomered war on Islam as an all out war on the non-existent "Militant" Islam.

In his recent New York Post column, Daniel Pipes paid tributes to the Bush administration for showing "impressive seriousness of purpose, discipline, and vision" in its "war on terrorism" (January 21, 2002). As usual, and as per the prevailing norm among the American analysts, Mr. Pipes went on to indicate a danger and suggest a solution: "There is just one glaringly weak spot: The Bush team adamantly refuses to acknowledge that there is an ideology that inspires America's enemies, preferring to ascribe its motives to simple 'evil.' Evil it is, but it follows from the specific set of radical utopian ideas known as militant Islam. Ignoring militant Islam today is like fighting World War II without fighting fascism, or fighting the cold war while wishing away communism."

On January 22, I transmitted a message to Mr. Pipes that reads as follows: "Reference to your above titled article, may I ask a couple of questions for the sake of my education. 1. If the terrorists attacking America are doing so due to 'militant Islamic' ideology, what does inspire the IRA terrorists? Doesn't militant Christianity inspire them? 2. What would you call Barouch Goldstein [who killed 29 Palestinians in Ibrahimi mosque on February 02, 1994]? Didn't militant Judaism inspire him? 3. Is it limited only to Muslims that any Muslim terrorist would be inspired by 'Militant Islam' but all other terrorists would not be inspired by their respective religions?"

Mr. Pipes replied: "you can ask but I don't understand the point. IRA, Jews have not been blowing up US planes, so why bring them up?" I asked him again: "May I ask a bit further. Does your answer suggest that only those are terrorists who blow up US planes, and others are not? Mr. Pipes wrote back: "of course not." Upon further probing Mr. Pipes agreed that of course others, too, "are terrorists, as are ETA members, Colombians and many others. But I discuss none of them because my interests lie elsewhere."

With this one-dimensional approach to terrorism he suggests: "Aim the War on Terror at Militant Islam," (Los Angeles Times, Jan. 6, 2002). The bias is summed up in the introduction as: "Whom are we fighting? Two main culprits have emerged since Sept. 11: terrorism and Islam. The truth, more subtle, lies between the two--a terroristic version of Islam." Not satisfied with the progress so far, he complains that Collin Powell failed to connect terrorism to Islam, which "is appealing because it finesses some delicate questions about Islam, thereby making it easier to build an international coalition or minimize domestic repercussions."

The dilemma of these analysts and policy makers is that they cannot declare an all out war on Islam and its 1.4 billion adherents, for it would mean either to convert them from Islam, or exterminate them altogether; none of which is realistically possible with any conceivable strategy or weapon. They have realised that the US and its Western allies can never win such a permanent clash of civilization. For this reason, Thomas Friedman of NY Times comes out with the solution of a 'war within Islam," and the rest support him in proving that there are different versions of Islam. The acceptable one is the secular or moderate version, which limits Islam to merely a few optional rituals for worship. The rest is "Militant Islam," which according to Mr. Pipes is "a misanthropic, misogynist, triumphalist, millennarian, anti-modern, anti-Christian, anti-Semitic, terroristic, jihadistic and suicidal."

The "war within Islam," can be fought, in Mr. Pipes words, through "a simple and effective strategy: weaken militant Islam around the world and strengthen the moderate alternatives to it. Fight it militarily, diplomatically, legally, intellectually and religiously." Just imagine the response of these biased analysts and political leaders to any Muslim's call for a war within the US-led coalition, or a war within the Western civilisation, or a war within the US. Would they not order to bomb country after country to kill such an "extremist" and also arrange for chasing out his soul from the now American planet?

The American terror mongers fail to realize that they are sowing the seeds of hatred with their boundless bias and double standards. They call for winning the hearts and minds of the Muslims together with their unceasing attacks on their religion and the way of life. For instance, Martin L. Gross, who called for a revolution against the two party dictatorship in the US in his November 1993 book, "A call for Revolution," came out with a bundle